اداریہ

پیغام سیرت

عہد نبوی ﷺ کا نظام معیشت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

اسلام نے متعدد جگہ تجارتی اور معاشی معاملات ومسائل کے ایسے رہ نما اصول بیان فرمائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے ایک نہایت سادہ اور عمدہ معاشرے کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور ان اصولوں کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ معاشی تباہی، اخلاقی بگاڑ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح اعمال واخلاق کی بے اعتدالیاں اور نفسانی خواہشات، انسان کو گم راہ کر دیتی ہیں، اسی طرح معاشی مسائل اور کسب واکتساب کے وہ وسائل وذرائع جو اللہ کے مقرر کردہ احکام کو نظر انداز کر کے اختیار کئے جائیں، انسانی گم راہی کا سبب بنتے ہیں، اس لئے کہ اللہ کے مقرر کردہ احکام وضوابط فطرت انسانی کے عین مطابق اور اس کی فلاح کے ضامن ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکرین وماہرین کوئی ایسا نظام معیشت پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہیں جو دنیا کی معاشی مشکلات صحیح معنوں میں حل کر سکے۔ یہ صرف اسلام ہی کا نظام معیشت ہے جو دنیا کو درپیش معاشی مسائل کو عین انسانی فطرت اور ضرورت کے مطابق حل کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس معاملے میں ہماری مکمل رہ نمائی کرتا ہے۔

فطری نظام

اسلام نے معیشت کا ایسا نظام پیش کیا ہے جو نہ صرف عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، بل کہ اس کی رو سے لوگوں میں ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو ہر شخص کو جبر وتشدد کی بہ جائے فطری طور پر اپنی استعداد اور

اپنے اختیار کے مطابق خدمات انجام دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس طرح آج کل کی معاشی اصطلاح میں آجر اور اجیر کے مابین صحت مند رشتے استوار ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط (۱)

دنیا کی زندگی میں بھی ہم خود ان کی روزی تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی نے بعض کے درجات بعض پر بلند کر دیئے ہیں، تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ وہ دنیا کی نعمتیں تقسیم کرنے میں بھی قادر و مختار مطلق ہے، منکرین کی تو روزیاں بھی ان کے قبضے اور اختیار میں نہیں۔ وہ بھی اللہ ہی تقسیم کرتا ہے اور وہی درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دیتا ہے اور اسی نے بعض کو غنی بنایا اور بعض کو فقیر۔ کسی کو بلند مرتبہ بنایا اور کسی کو کم مرتبے والا، تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں، اور ایک دوسرے کے کام آتے رہیں اور دنیا کا نظام بہ حسن وخوبی چلتا رہے۔

نبوی نظام معیشت کی بنیادی باتیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے ذریعے جس طرح عبادات، معاشرتی معاملات اور سیاسیات کے اصول وضوابط بیان کئے ہیں، اسی طرح معاشیات کے بھی اصول وضوابط بیان کئے ہیں۔ چناں چہ قرآن وحدیث کی روشنی میں نبوی نظام معیشت کی بنیادی باتیں یہ ہیں۔

۱۔ **حق داروں کو ان کا حق پہنچانا:** مادی معاشیات کی رو سے دولت کا مستحق صرف ان لوگوں کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کی پیداوار میں حصہ لیں۔ مثلاً سرمایہ، زمین اور محنت، یہی عاملین پیدائش ہیں، ان ہی کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار ہوگی وہ ان تینوں پر اس طرح تقسیم ہوگی کہ پیداوار کا ایک حصہ سرمائے کو ملے گا جو منافع کی شکل میں ہوگا۔ پیداوار کا دوسرا حصہ زمین کو ملے گا جو کرائے کی شکل میں ہوگا اور تیسرا حصہ محنت کو ملے گا جو اجرت کی شکل میں ہوگا۔ اس کے برخلاف اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دولت حقیقتاً اللہ کی ملکیت ہے اور وہی اس کے قوانین مقرر فرماتا ہے۔ اس لئے دولت کے حق دار صرف وہی لوگ نہیں ہوتے جو اس کی پیداوار میں شریک ہوں بل کہ ہر وہ شخص دولت کا مستحق ہے جس تک دولت

۱۔ الزخرف: ۳۲

پہنچانا اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے۔ لہٰذا فقرو مساکین، غربا و مفلسین اور دوسرے نادر و بے کس لوگ بھی دولت کے حق دار ہیں۔ اس لئے جن عاملین پیدائش پر دولت تقسیم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ غربا و مساکین تک پہنچائیں، جیسے ارشاد ہے:

وَفِی اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِO(۲)

اوران کے اموال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے۔

یہ لوگ مسکینوں اور ضرورت مندوں میں سے سوال کرنے والوں اور ان لوگوں کو جو محتاج و تنگ دست ہونے کے باوجود سوال سے بچتے ہیں، اپنے مال کا ایک حصہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُہٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِھًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ ط کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ صلے وَلَاتُسْرِفُوْا ط اِنَّہٗ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَO (۳)

وہی تو ہے جس نے باغ اگائے، وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور مختلف قسم کی کھیتی اور زیتون اور انار بھی جو باہم ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں۔ اور جب ان میں پھل آجائے تو ان کو کھاؤ اور کٹنے کے دن ان کا حق ادا کر دیا کرو۔ اور اسراف نہ کرو۔ بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تمام حیوانات و نباتات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام جانور و باغات اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان سب کی تخلیق میں کوئی ذرہ برابر بھی اس کا شریک نہیں۔ حقیقت میں اسی نے تمہارے لئے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے ذریعے اپنے حقیقی رازق و مالک کو پہچانو۔ اسی نے تمہارے لئے مختلف قسم کے باغات پیدا کئے۔ کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے۔ اسی طرح کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا اور زیتون اور انار پیدا کئے۔ ان کے پھل یک ساں بھی ہوتے ہیں اور جداگانہ بھی۔ یہ اسی کی قدرت کے کرشمے اور اسی کی رحمت و عنایت کے نمونے ہیں۔ اس نے یہ تمام چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لئے پیدا کیں۔ لہٰذا جب ان پودوں اور درختوں میں پھل آجائے تو تم یہ پھل کھاؤ اور اس کی نعمت کی قدر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اور جب پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو اس وقت غریبوں کا حصہ بھی ادا کرو اور ناجائز باتوں میں خرچ کر کے شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ حد

۲۔ الذّٰریٰت: ۱۹　　۳۔ الانعام: ۱۴۱

سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو شرعی حدود کے اندر رہ کر خرچ کرتے ہیں۔

فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں نے یا کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

ان فی الاموال لحقا سوی الزکوٰۃ (۴)

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے۔

۲۔ احتکار واکتناز: بازار میں جب کسی چیز کی طلب میں اضافہ اور رسد میں کمی ہو جاتی ہے تو مفاد پرست طبقہ عام لوگوں کی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے اس جنس کو بڑی، مقدار میں خرید کر گوداموں کی زینت بنا دیتا ہے اور من مانے نرخ پر تھوڑا تھوڑا کر کے بازار میں لاتا ہے۔ اسی کو احتکار کہتے ہیں۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

لغت میں کھانے پینے کی اشیا کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنے کا نام احتکار ہے۔ (۵)

معمر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحتکر الاخاطئ (۶)

گناہ گار کے سوا کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

من احتکر علی المسلمین طعاما ضربه الله بالجذام او بالافلاس (۷)

جس نے مسلمانوں کی کھانے کی چیزوں کا ذخیرہ کیا تو اللہ اس کو جذام یا افلاس میں مبتلا کرے گا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (۸)

۴۔ ترمذی۔ الجامع السنن: ج ۲، ص ۱۴۳، رقم ۶۵۹۔ ابن ماجہ۔ السنن: ج ۲، ص ۵۶۹، رقم ۱۷۸۹

۵۔ ابن منظور۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۲۰۸

۶۔ مسلم۔ الصحیح: ج ۳، ص ۶۳، رقم ۱۶۰۵۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۱۰، رقم ۲۱۵۴

۷۔ ایضاً: رقم ۲۱۵۵ ۸۔ الدارمی۔ السنن: ج ۲، ص ۳۲۴، رقم ۲۵۴۴

باہر سے لاکر بیچنے والا رزق پائے گا اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔

قرآن کریم اور احادیث میں ایسے طریقے اختیار کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے، جن سے دولت وسرمایہ پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بہ جائے سمٹ کر ایک خاص طبقے تک محدود ہو جائے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍO یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ط ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَO (۹)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کی گردنوں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

جو لوگ حرص و لالچ کی بنا پر سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے۔ قیامت کے روز ان کے جمع کردہ سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں غریبوں اور مسکینوں اور ضرورت مندوں کو دیکھ کر ان سے منہ موڑ لیتے تھے۔ پھر داغ دیتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے جس کو تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کر رکھا تھا اور تم اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتے تھے، سو اب تم اپنے ذخیرہ کئے ہوئے مال کے وبال کا مزہ چکھو۔

جمہور علما و مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ اور حقوق واجبہ ادا نہ کرے۔ اس کے برعکس جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں، خواہ اس کی مالیت اربوں روپے ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن صاحب ذھب ولافضۃ لایؤدی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیٰمۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جنبہ

۹۔ التوبہ: ۳۴، ۳۵

20066

وجبينه وظهره كلما بردت اعيدت له في يوم كان مقداره خمسين الف سنة حتى يقضى بين العباد فيرى سبيله اما الى الجنة واما الى النار (۱۰)

سونے چاندی کے جو مالک اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے، قیامت کے روز ان کے سونے چاندی کے تختے بنا کر ان کو آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر ان سے ان کے پہلو اور پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو ان کو دوبارہ گرم کر کے یہ عمل دہرایا جائے گا۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے اور اس کو جنت یا دوزخ کی طرف راستہ دکھا دیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من آتاه الله مالا فلم يؤ د زكاته، مثل له يوم القيٰمة شجاعا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيٰمة ثم ياخذ بلهزميه يعني شدقيه، ثم يقول انا مالك، انا كنزك (۱۱)

جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو قیامت کے روز اس مال کو گنجے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا، جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ طوق کی شکل میں اس کے گلے میں پڑ جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا مال ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اديت زكوٰة مالك فقد قضيت ماعليك (۱۲)

جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو تم پر جو واجب تھا وہ تم نے ادا کر دیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ (۱۳)

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گویا اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

۱۰۔ مسلم۔ الصحیح: ج ۲، ص ۶۷۹، رقم ۹۸۷　　۱۱۔ بخاری۔ الصحیح: ج ۱، ص ۳۴۳، رقم ۱۴۰۳

۱۲۔ ترمذی: ج ۲، ص ۱۲۱، رقم ۶۱۸۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۵۶۹، رقم ۱۷۸۸

۱۳۔ البقرۃ: ۱۹۵

مذکورہ بالا قرآنی آیات واحادیث سے واضح ہے کہ دولت وسرمایہ ذخیرہ اور جمع کرنے کے لئے نہیں بل کہ یہ انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔

۳۔اسراف: اسراف کی تعریف راغب اصفہانی اس طرح کرتے ہیں:

السرف تجاوز الحد فی کل فعل یفعله الانسان(۱۴)

لغت میں ہر انسان فعل میں حد سے تجاوز کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

ماانفقت فی غیر طاعة الله سرف، وان کان قلیلاً (۱۵)

اللہ کی اطاعت کے کاموں کے علاوہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے وہ اسراف ہے، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

تقریباً یہی تعریف ابن منظور سے لسان العرب میں منقول ہے۔(۱۶)

مناوی سے اسراف کی اصطلاحی تعریف اس طرح منقول ہے:

الاسراف هو الابعاد فی مجاوزة الحد (۱۷)

اسراف حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔

جرجانی نے اسراف کی یہ تعریف کی ہے:

هو ان یاکل الرجل مالایحل له او یاکل ممایحل له فوق الاعتدال ومقدار الحاجة (۱۸)

اسراف یہ ہے کہ انسان وہ کچھ کھائے جو اس کے لئے حلال نہیں یا حلال تو ہے مگر وہ اعتدال اور ضرورت سے زیادہ کھائے۔

آج کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ معاشی ہے۔آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ انتہائی غربت کی زندگی گزار رہا ہے۔متوسط طبقے کا حال بھی اچھا نہیں، وہ اپنی ضروریات تو جیسے تیسے پوری کر رہا ہے لیکن سکون واطمینان اسے بھی حاصل نہیں۔اس کا ایک اہم سبب تو یہ ہے کہ ہم نے بہت سی غیر اہم اور غیر ضروری چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، حال آں کہ ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔اس لئے پرسکون زندگی

۱۴۔راغب اصفہانی۔المفردات:۲۳
۱۵۔موسوعۃ نضرۃ النعیم:ص۳۸۸۴
۱۶۔لسان العرب بہ ذیل مادہ سرف
۱۷۔نضرۃ النعیم:۳۸۸۵
۱۸۔ایضاً

گزارنے کے لئے آدمی میں قناعت اور سادگی کا ہونا ضروری ہے۔ آدمی میں قناعت اس وقت آئے گی جب وہ دنیاوی معاملات میں اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر کرے اور دیکھے کہ وہ کس طرح سروں پر وزن اٹھائے پھرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہیں، اور اس پر اللہ کا شکر بجالائے کہ اللہ نے اس کو اپنے بہت سے بندوں سے بہتر بنایا ہے۔ اسی طرح دینی معاملات میں اپنے سے برتر لوگوں کو دیکھے اور دل و جان سے ان جیسے اعمال صالحہ کرنے کی کوشش کرے۔

سادگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے وسائل کے اندر رہ کر اپنی زندگی گزارے اور کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور برت برتاؤ، بیاہ شادی اور دیگر تقریبات اور مواقع پر اعتدال کا دامن تھامے رہے۔ اپنے تمام امور میں بے جا تکلفات، دکھاوے، ریا سے کامل اجتناب کرے۔ بخل اور تنگی سے زندگی گزارنے کا نام سادگی نہیں بل کہ بخل اور فضول خرچی سے اجتناب کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام سادگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝(۱۹)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں۔ اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے، یہاں تک کہ فضول خرچی میں داخل ہو جائے، اور تنگی سے خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے۔ پس جب آدمی فضول خرچی اور کنجوسی کو ترک کر کے اعتدال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اپنے وسائل کے مطابق خرچ کرتا اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتا ہے تو اس کا طرز زندگی نہایت سادہ اور پسندیدہ ہو جاتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (۲۰)

کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔

شرعی اعتبار سے انسان پر کھانا پینا فرض و لازم ہے۔ اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے یا اتنا کم زور ہو جائے کہ فرائض و واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو ایسا شخص عنداللہ

۱۹۔ الفرقان: ۶۷ ۲۰۔ الاعراف: ۳۱

مجرم اور گناہ گار ہے۔ اس آیت میں کھانے پینے کی اجازت ہی نہیں بل کہ حکم ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اسراف کی ممانعت ہے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور حد سے تجاوز کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جانا اور حرام چیزوں کو کھانے پینے لگ جانا۔

۲۔ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر حرام سمجھ کر چھوڑ دینا۔ جس طرح حرام چیزوں کا استعمال جرم و گناہ ہے، اسی طرح حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی سخت گناہ ہے۔

۳۔ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا اسراف ہے۔

۴۔ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ (۲۱)

عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا والبسوا مالم یخالطه اسراف او مخیلة (۲۲)

کھاؤ اور پیو اور پہنو جب تک کہ اس کے ساتھ اسراف یا تکبر شامل نہ ہو۔

ابن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد افلح من هدی الی الاسلام ورزق الکفاف وقنع به (۲۳)

وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو اسلام کی طرف ہدایت ملی اور گزر اوقات کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نوازا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نے اس سلسلے میں بھی اپنی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل چھوڑا ہے۔ آپ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی اور فقر و فاقے کی حالت میں نہایت صبر و شکر سے اپنے فرائض منصبی ادا کیے۔ باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام سہولتیں میسر آسکتی تھیں۔ یوں آپ کا فقر اختیاری تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یبیت اللیالی المتتابعة طاویا واهله لایجدون عشاء وکان اکثر خبزهم خبز الشعیر (۲۴)

۲۱۔ آلوسی۔ روح المعانی: ج ۸، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن: ج ۳، ص ۵۴۲، ۵۴۶

۲۲۔ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۵۰۲، رقم ۳۶۰۵

۲۳۔ مسلم: کتاب الزہد باب فی الکفاف والقناعۃ۔ ابن ماجہ: ج ۴، ص ۶۸۰، رقم ۴۱۳۸

۲۴۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۶۰، رقم ایضاً ۲۳۶۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے گھر والے کئی کئی رات خالی پیٹ سوتے تھے، کیوں کہ رات کوکھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔اوران لوگوں کی خوراک اکثر جو کی روٹی ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران وفات تک کبھی دووقت سیرہوکرروٹی نہیں کھائی۔(۲۵)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا کبھی تہہ کرکے نہیں رکھا گیا کیوں کہ آپ کا دوسرا جوڑا ہوتا ہی نہ تھا جوتہہ کرکے رکھا جاتا۔(۲۶)

اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقراختیاری تھا۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مكة ذهبا، قلت لا یا رب، ولكن اشبع یوما واجوع یوما، فاذا جعت تضرعت الیك وذكرتك فاذا شبعت شكرتك وحمدتك (۲۷)

مجھے میرے رب نے پیش کش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لئے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنادیا جائے۔مگر میں نے کہا:نہیں!میرے رب!میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن میں سیر ہوں اورایک دن بھوکا رہوں۔پھر جب بھوک لگے تو تیرے سامنے روؤں،گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکرادا کروں اور تیری حمد کروں۔

ایک مسلمان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے بڑھ کرکوئی اسوہ قابل عمل نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم نے خوداسے اسوۂ حسنہ قراردیا ہے۔فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۸)

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی) میں عمدہ نمونہ (عمل) ہے۔

لہٰذا ایک جانب جہاں ہمیں اپنی معاشی مشکلات کے حل کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں،اوراللہ سے دعا کرنی چاہیئے،وہیں صبرورضا کے ساتھ اس ابتلا کوگزارنا چاہیئے،کیوں کہ مشکلات کا دورخواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہوآخراسے ختم ہونا ہے۔چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

۲۵۔قاضی عیاض۔الشفا:ج:۱،ص۸۲ ۲۶۔الشفا:ج:۱،ص۸۲

۲۷۔ترمذی:ج۴،ص۱۵۵،رقم ۲۳۵۴ ۲۸۔الاحزاب:۲۱

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًاOاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًاO(۲۹)

سوالبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص مصائب اور سختیوں پر صبر کرے اور صدق دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے تعلق ختم کر کے اسی سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے اور حصول مقصد میں تاخیر ہونے سے ناامید نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ضرور آسانی کرے گا۔ایک طرح کی نہیں بل کہ کئی طرح کی۔(۳۰)

۴۔تبذیر: اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرنا۔بے جا خرچ کرنا۔

لغت میں کسی چیز کو پھینکنے اور منتشر کرنے کا نام تبذیر ہے۔(۳۱)

اصطلاح میں امام شافعی سے منقول ہے:

التبذير انفاق المال فی غير حقه، ولاتبذير فی عمل الخير (۳۲)

تبذیر ناجائز کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔نیک کام میں تبذیر نہیں ہوتی۔

قرطبی کہتے ہیں:

هو النفقة فی غير وجوه البر التی يتقرب بها الی الله تعالىٰ (۳۳)

تبذیر سے مراد نیک کاموں کے سوا کسی ایسے کام میں خرچ کرنا ہے جس سے مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا نہ ہو۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو یہ تبذیر نہیں اور اگر وہ گناہ کے کام میں ایک مد یعنی ایک سیر غلہ بھی خرچ کرے تو یہ تبذیر ہے۔(۳۴)

قتادہ کہتے ہیں کہ تبذیر اللہ کی نافرمانی اور ناحق اور فساد کے لئے خرچ کرنے کا نام ہے۔(۳۵)

اسراف اور تبذیر میں فرق: کفوی کہتے ہیں:

الاسراف هو صرف فيما لاينبغی زائدا علی ماينبغی، اماالتبذير فانه صرف الشیء فيما لاينبغی (۳٦)

۲۹۔الانشراح:۵،٦

۳۰۔علامہ شبیر احمد عثمانی۔تفسیر عثمانی: ج۲،ص۸۲۴

۳۱۔نضرۃ النعیم:۴۱۱۳

۳۲۔تفسیر قرطبی: ج۱،ص۲۴۷

۳۳۔نضرۃ النعیم:ص۴۱۱۴

۳۴۔علامہ صابونی۔صفوۃ التفاسیر: ج۲،ص۱۳۹

۳۵۔ایضاً

۳٦۔نضرۃ النعیم:ص۴۱۱۴

اسراف تو کسی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں اور تبذیر ناجائز کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں مال کو لغویات اور اللہ کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا○اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○(۳۷)

اور اہل قرابت اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور (مال کو) فضول نہ اڑانا۔ بلاشبہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ناجائز اور گناہ کے کاموں میں خرچ کرنے والوں کو شیطانوں کے بھائی کہا ہے، یعنی وہ شیطانوں کے طریقے پر ہیں اور ان کی اطاعت وفرماں برداری میں ناجائز اور بے ہودہ جگہوں پر خرچ کرتے ہیں۔ شیطان تو ہے ہی اپنے رب کا نافرمان، اس لئے اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔ مال و دولت اللہ کی نعمت ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ اور ناحق اور اس کی نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرنا اس کی ناشکری ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں محتاج ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں ایک یتیم کا سرپرست ہوں۔ آپ نے فرمایا:

کل من مال یتیمك غیر مسرف ولا مباذر ولا متاثل (۳۸)

اپنے یتیم کے مال میں سے کھا، اسراف اور فضول خرچی اور اس کے مال سے پونجی بنائے بغیر۔

۵۔ سود کی حرمت: دوسری برائیوں کی طرح عربوں میں سودی لین دین بھی عام تھا۔ دولت مند لوگ غریبوں کو بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے تھے اور جب تک روپیہ وصول نہیں ہوتا تھا وہ سود کو اصل میں شامل کرتے جاتے تھے۔ اسلام نے معاشرے کی اس لعنت کو ختم کیا۔ فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

۳۷۔ بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

۳۸۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۳۶، رقم ۲۸۷۲۔ نسائی۔ السنن: کتاب الوصایا باب ما للوصی من مال الیتیم اذا قام علیہ

تُفْلِحُوْنَO وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَO (۳۹)

اے ایمان والو! دوگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ربا کی قسمیں

۱۔ ربا النسیہ: اہل جاہلیت مدت مقرر کر کے سود پر قرضہ دیتے تھے۔ اگر مقررہ مدت گزرنے پر رقم واپس وصول نہ ہوتی تو قرض خواہ، سود کو اصل رقم میں شامل کر کے اس پر سود لگا دیتا تھا۔ اس طرح سود در سود مل ملا کر قرض پر دی ہوئی رقم کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ قرآن کریم نے اوپر بیان ہونے والی آیت کریمہ میں اسی کو اضعافا مضاعفہ کہا ہے۔ اس کو ربا النسیہ بھی کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب میں سود کی یہی قسم رائج تھی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے، جو آج ہمارے سامنے پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیأتِینّ علی الناس زمان لایبقی احد الا اکل الربا فان لم یاکله اصابه من بخاره (۴۰)

لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جب ایسا کوئی شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو اور جو سود نہ کھائے گا تب بھی اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔

۲۔ ربا الفضل: یہ وہ سود ہے جو ایک ہی جنس کی چیزوں کو کمی بیشی کے ساتھ تبدیل کرنے میں ہوتا ہے، جیسے ایک سیر عمدہ گیہوں کو سوا سیر ادنی قسم کے گیہوں کے بدلے میں فروخت کیا جائے، یا پرانے ایک سو دس روپے کے بدلے میں نئے سو روپے دیئے جائیں۔ وغیرہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذهب بالذهب مثلا بمثل، والفضة بالفضة مثلا بمثل، والتمر بالتمر مثلا بمثل، والبر بالبر مثلا بمثل، والملح بالملح مثلا بمثل والشعير بالشعير مثلا بمثل، فمن زاد أو ازداد فقد اربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم، يدا بيد وبيعوا البر بالتمر كيف شئتم يدا بيد وبيعوا الشعير بالتمر كيف شئتم يدا بيد (۴۱)

۳۹۔ آل عمران: ۱۳۰، ۱۳۱ ۴۰۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۲۰۷، رقم ۳۳۳۱

۴۱۔ ترمذی: ج ۳، ص ۱۹، رقم ۱۲۴۴

سونے کے بدلے سونا برابر برابر بیچو، چاندی کے بدلے چاندی برابر برابر بیچو اور کھجور کے بدلے کھجور برابر برابر اور گیہوں کے بدلے گیہوں برابر برابر بیچو اور نمک کے بدلے نمک برابر برابر بیچو اور جو کے بدلے جو برابر برابر بیچو۔ پس جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا۔ پھر سونے کی چاندی کے عوض نقد و نقد جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو اور گیہوں کی کھجور کے عوض جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو، بہ شرطے کہ نقد و نقد ہو۔ اور جو کھجور کے عوض نقد و نقد جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو۔

سود خوروں کا انجامِ بد: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ۝ (۴۲)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے شیطان نے کسی کو چھو کر حواس باختہ کر دیا ہو، یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ بیع بھی سود کی مانند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو تو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا۔ پس جس کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہئے جو اس نے پہلے دیا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کے انجام بد اور حشر میں ان کی رسوائی اور گمراہی کو بیان کیا ہے، کیوں کہ ان لوگوں نے دو جرم کئے۔ ایک تو سود کے ذریعے حرام مال کھایا، دوسرے سود کو حلال سمجھا اور جو لوگ سود کو حرام کہتے ہیں ان کے جواب میں سود کو خرید و فروخت کی مانند قرار دیا اور کہا کہ جس طرح خرید و فروخت کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے، اسی طرح سود کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر سود حرام ہے تو خرید و فروخت بھی حرام ہونی چاہئے۔ ان کے جواب میں اللہ نے حکماً فرمایا کہ اللہ ہی ہر چیز کے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر ہے، اس لئے اسی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

۴۲۔ البقرۃ: ۲۷۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود (کا گناہ) ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجے کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔(۴۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء (۴۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے کھلانے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور (اس سودی کاروبار کے) گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔

سودخوروں کے خلاف اعلان جنگ: سود کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے، ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَO فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ج لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَاتُظْلَمُوْنَO (۴۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہیں اپنے اصلی مال لینے کا حق ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرو۔ اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

اس آیت کے نزول کے بعد جن لوگوں کی سود پر دی ہوئی رقم بہ مع سود قرض داروں پر واجب تھی، ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود لوگوں کے ذمے ہے وہ لے لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو رد فرماتے ہوئے ان کو حکم دیا کہ اگر تم سچے مومن ہو تو جو کچھ سود قرض دار کے ذمے باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور صرف اپنا اصل مال لے لو۔ پھر سود کی مخالفت کرنے والوں کے لئے سخت وعید

۴۳۔ مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب الربوٰ، فصل ثالث

۴۴۔ مسلم: ج ۳، ص ۵۷، رقم ۱۵۹۸۔ ترمذی: ج ۳، ص ۴، رقم ۱۲۱۰۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۳۰۸، رقم ۳۳۳۳

۴۵۔ البقرۃ: ۲۷۹،۲۷۸

ہے کہ اگر انہوں نے سود کو ترک نہ کیا تو ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والا کیسے کامیاب ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم میں ایسی شدید وعید کفر کے سوا کسی اور بڑے سے بڑے گناہ پر بھی نہیں آئی۔

سود کی حرمت کا مذکورہ قانون نافذ ہونے کے بعد مسلمان تو اس کے پابند تھے ہی، جو غیر مسلم قبائل صلح یا کسی معاہدے کے تحت اسلامی قانون قبول کر چکے تھے وہ بھی اس کے پابند ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں اس بات کا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی مفاد کے پیش نظر نہیں بل کہ پوری انسانیت کی تعمیر اور صلاح وفلاح کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے ہم مسلمانوں کے سود کی بڑی رقم جو غیر مسلموں کے ذمے تھی، اس کو چھوڑتے ہیں تو اب ان کو بھی اپنے سود کی باقی ماندہ رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا سود جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا وہ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کا تھا، جن کی بہت بھاری رقمیں غیر مسلموں کے ذمے عائد ہوتی تھیں۔ (۴۶)

بیع اور سود میں فرق: بیع میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ مال کے عوض اور مقابلے میں ہوتی ہے اور سود میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ بلاعوض ہوتی ہے۔ مثلاً کسی نے ایک درہم کا کپڑا خرید کر دو درہم میں فروخت کر دیا تو یہ دونوں درہم کپڑے کے عوض اور مقابل ہوئے۔ اور اگر کسی نے ایک درہم کو دو درہم میں فروخت کیا تو ایک درہم تو ایک درہم کے مقابل اور عوض میں ہو جائے گا اور دوسرا درہم بلاعوض اور مقابلے کے ہوگا۔ یہی سود ہے جسے اللہ حرام ٹھہرایا ہے۔ بیع میں قابل معاوضہ چیزوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور ربا اصل قرض پر کچھ زیادہ لینے کو کہتے ہیں، اور یہ زیادتی ادائیگی کے وقت میں مہلت اور تاخیر کے بدلے میں کی جاتی ہے۔ وقت میں تاخیر اور مہلت نہ تو عقلاً کوئی مال ہے اور نہ عرفاً کوئی ایسی چیز ہے جس پر قبضہ کیا جاسکے اور عوض اور مقابل بن سکے۔ جو چیز بلاعوض اور بدل حاصل کی جائے وہ باطل اور ناحق ہے، اس پر گناہ ہوگا۔

جو لوگ بیع کے نفع کو سود کی مانند نفع اور زیادتی کہتے ہیں اور دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، ان سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ جیسے بیوی عورت ہے اسی طرح ماں بھی عورت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بیوی تو حلال ہے اور ماں حرام ہے۔ یا یہ پوچھا جائے کہ کتا بھی بکری کی طرح ایک چوپایا جانور ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بکری تو حلال ہے اور کتا حرام ہے۔ (۴۷)

۴۶۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن: ج۱، ص ۶۵۵

۴۷۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ معارف القرآن: ج۱، ص ۴۱۵

حقیقت یہ ہے کہ بیع کے حلال اور سود کے حرام ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے اور اس کو مخلوق کے لئے ہر قسم کے فیصلے اور احکام جاری کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، اس کے فیصلے اور حکم کو مخلوق میں سے کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکتا، اس کا حکم حتمی ہے۔

سودی کاروبار کے نقصانات: پھر سودی کاروبار کے تو نقصانات بھی واضح چیز ہیں، سودی لین دین سے تقسیم دولت کے نظام میں عدم توازن اور ناہم واری پیدا ہوتی ہے۔ اگر قرض لینے والے کو اپنے کاروبار میں سخت نقصان کا سامنا ہو، تب بھی قرض دینے والے کا منافع سود کی شکل میں محفوظ رہتا ہے اور اس کی تجوری ہر حال میں بھرتی چلی جاتی ہے۔ کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والے کو بے انتہا منافع ہوا اور سرمایہ دینے والے کو اس میں سے بہت معمولی حصہ ملا۔ مذکورہ دونوں صورتوں میں معاشی عدم توازن اور ناہم واری پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے کاروبار میں سرمایہ لگانے کی عموماً دو صورتیں بتائی ہیں۔ ایک شراکت اور دوسری مضاربت۔ یہ دونوں صورتیں معاشی عدم توازن اور ناہم واری سے خالی ہیں، کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں نقصان بھی دونوں فریقوں کو ہوتا ہے اور نفع میں بھی دونوں فریق متناسب طریقے سے شریک ہوتے ہیں۔

سودی لین دین کا ایک اور نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ اس سے مٹھی بھر سرمایہ دار، دولت کے بڑے حصے پر قابض ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ سرمائے کے زور پر بازار اور دوسرے کاروباری اداروں کو اپنی منشا کے مطابق کنٹرول کرتے اور چلاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اشیا کی رسد اور قیمتوں کا نظام متاثر ہوتا ہے۔ اس طرح معیشت و اخلاق سے لے کر ملکی سیاست تک زندگی کا کوئی گوشہ اس کے برے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر ان تمام برائیوں کی جڑ کاٹ دی۔ اس طرح اسلامی نظام کی رو سے کاروبار میں روپیہ لگانے والا کاروبار اور اس کی پالیسی میں شریک ہوتا ہے اور نفع و نقصان کی ذمے داری اٹھاتا ہے۔

سود خوری سے قلب میں قساوت اور اطاعت و فرماں برداری کی قوت میں کم زوری پیدا ہوتی ہے۔ سود خور کاہل اور آرام پسند ہوجاتا ہے۔ اس کے اندر جہاد اور ایثار و قربانی کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے اور بخل و کنجوسی جیسی کمینہ صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کو اس سے منع کردیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہوجائے، اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔ (۴۸)

۶۔ **تجارت:** روزی کمانے کے ذرائع اور اسباب مختلف اور بے شمار ہیں۔ ان میں سے بعض جائز

۴۸۔ مشکوۃ: کتاب البیوع باب الربوٰ فصل ثالث

اور بعض ناجائز ہیں۔ جائز اور حلال ذرائع میں سے کسی بھی ذریعے کو اختیار کر کے حلال روزی حاصل کرنا درست ہے۔ ان ہی ذرائع میں سے ایک ذریعہ تجارت کا ہے جو حلال و جائز اور حرام و ناجائز دونوں طریقے سے ہوتی ہے۔ جو تجارت اسلامی اصولوں اور احکام کے تحت کی جائے وہ حلال اور جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں بہت برکت رکھی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے حلال روزی کی تلاش اور حصول کے لئے تگ و دو اور کوشش نماز روزے جیسی عبادتوں کی طرح عبادت ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (۴۸)

حلال رزق کا طلب کرنا دوسرے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

تجارت کے عام معنی خرید و فروخت کے ہیں۔ اصطلاح میں تجارت یہ ہے:

التجارۃ التصرف فی رأس المال طلبا للربح (۴۹)

اصل مال میں نفع کی غرض سے تصرف کرنے کا نام تجارت ہے۔

تجارت کے لئے بیع کا لفظ بھی عام ہے، اور بیع کہتے ہیں:

البیع مبادلة المال بالمال تملیکا وتملکا (۵۰)

مال کو مال کے بدلے میں اس طرح تبدیل کرنے کو بیع کہتے ہیں کہ اس کا دوسرے کو مالک بنادیا جائے یا خود مالک بن جائے۔

تجارت حصول معاش کا ایک اہم ذریعہ ہی نہیں بل کہ اس کے بے شمار ثمرات اور ان گنت اجتماعی وانفرادی فوائد کی بنا پر اسلام نے اس کو بہترین کسب (کمائی) قرار دیا ہے، جو لوگ صحیح اسلامی احکام اور اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے تجارت کرتے ہیں ان کے لئے حدیث میں بڑے اجر کی بشارت ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (۵۱)

بہت سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے روز) انبیا صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

۴۸۔ طبرانی۔ معجم الکبیر۔ موصل۔ مکتبہ العلوم ۱۹۸۳ء: ج ۱۰، ص ۷۴

۴۹۔ المفردات: ص ۷۳

۵۰۔ ابن قدامہ المقدسی۔ الشرح الکبیر علی هامش المغنی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت: ج ۴، ص ۲

۵۱۔ ترمذی: ج ۳، ص ۵، رقم ۱۲۱۳۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۲، رقم ۲۵۳۹

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بہترین کمائی ان تاجروں کی ہے جو بات کہیں تو جھوٹ نہ بولیں، امانت رکھیں تو خیانت نہ کریں، وعدہ کریں تو خلاف ورزی نہ کریں، کچھ خریدیں تو (سامان کی) مذمت نہ کریں، بیچیں تو (مبالغہ آمیز) تعریف نہ کریں، ان کے اوپر کسی کا حق واجب ہوتو ٹال مٹول نہ کریں اوران کا حق کسی پر واجب ہوتو اسے تنگ نہ کریں۔ (۵۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی کی کون سی کمائی زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:

عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور (۵۳)

آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر بیع مبرور (جس میں کوئی خرابی نہ ہو)۔

تجارت کی ترغیب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو بہترین رزق اور عمدہ روزی فرمایا نیز تجارت کو رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے فرمایا:

علیکم بالتجارۃ فیھا تسعۃ اعشار الرزق (۵۴)

تم تجارت کو اپنے اوپر لازم کرلو کیوں کہ اس میں رزق کے دس میں سے نو حصے ہیں۔

ایک اورروایت میں بازاروں کو اللہ کا دسترخوان کہا گیا ہے:

الاسواق موائد اللہ تعالیٰ فمن اتاھا اصاب منھا (۵۵)

بازار اللہ کے دسترخوان ہیں جو ان میں آئے گا وہ ضرور ان سے (اپنا حصہ) پائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجر کے اجر کو شہید کی مانند قرار دیا، فرمایا:

ما من جالب طعاما من بلد الی بلد فیبیعہ بسعر یومہ الا کانت منزلتہ عند اللہ منزلۃ الشھداء (۵۶)

جو تاجر مشقت اٹھا کر اناج کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتا ہے اور اسے اس دن کی قیمت پر فروخت کرتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کا مقام شہید کی مانند ہے۔

۵۲۔ الترغیب وترہیب: ج ۳، ص ۲۶۴

۵۳۔ بیہقی۔ سنن الکبری: ج ۸، ص ۸۷، رقم ۱۰۵۳۴

۵۴۔ احیاء علوم الدین: ج ۲، ص ۶۴

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ قرطبی۔ قاہرہ، دار الشعب ۱۳۷۲ھ: ج ۱۹، ص ۵۵

ایک روایت میں تجارت کو لوگوں کے لئے ایک بڑی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

لولا هذه البيوع صرتم عالة على الناس (۵۷)

اگر یہ خرید و فروخت نہ ہوتی تو (معاشی اعتبار سے) تم لوگ دوسروں پر بوجھ بن جاتے۔

تجارت کی ممنوعہ شکلیں

بازار میں آنے سے پہلے مال خرید لینا: دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ دیہات کے لوگ جب اپنا مال یعنی غلہ وغیرہ لے کر شہر کی منڈی میں آتے تو شہر کے لوگ جو پہلے ہی سے ان کی ٹوہ میں رہتے، ان کی آمد کی خبر پا کر ان کے شہر میں داخل ہونے سے بہت پہلے راستے ہی میں ان کے مال کا سودا کر کے ان کا مال اپنے قبضے میں لے لیتے، اور پھر من مانی قیمت پر اس کو شہر میں فروخت کرتے۔ خرید و فروخت کے اس طریقے کو تلقی جلب کہتے ہیں، اس کو ممنوع قرار دیا گیا۔ آج کے دور میں ایجنٹ اور مڈل مین کا بڑھتا ہوا کردار بھی اس ذیل میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعے بھی کاشت کار کو معاوضہ کم ملتا ہے اور اصل خریدار کی جیب سے رقم زیادہ نکلتی ہے، مگر اصل فائدہ مڈل مین اٹھاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجارتی قافلوں کی) پیش وائی سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے یعنی کسی دیہاتی کا دلال بنے۔ (۵۸)

دھوکہ دہی یعنی مال کا عیب ظاہر نہ کرنا: ہمارے ہاں تجارت کی بنیاد حد سے بڑھے ہوئے لالچ پر قائم ہے۔ دکان دار مہنگائی کا خواہش مند ہوتا ہے تو خریدار مفت ہی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ تاجر حضرات تھوڑے سے نفع کی خاطر اپنا مال بیچتے وقت جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے مال کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ اگر ان کے مال میں کوئی عیب ہو تو اس کو خریدار پر ظاہر کرنے کی بہ جائے اس کو پوشیدہ رکھنے کی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں۔ اسلام ایسے مکر و فریب اور لغو معاملات کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت رفاعہ بن رافعہ انصاری سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان التجار يبعثون يوم القيٰمة فجارًا الا من اتقى الله وبر وصدق (۵۹)

بلاشبہ قیامت کے دن (اکثر) تاجر گناہ گار اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ سے

۵۷۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۹۶ ۵۸۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۲، رقم ۲۱۶۲

۵۹۔ ترمذی: ج ۳، ص ۵، رقم ۱۲۱۳

ڈرے اور انہوں نے نیکی کی اور سچائی کو اختیار کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو (ڈھیر کے) اندر انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی، آپ نے دریافت فرمایا:

یاصاحب الطعام ماھذا؟ قال اصابته السماء یا رسول الله، قال افلا جعلته فوق الطعام حتیٰ یراه الناس، ثم قال من غش فلیس منا (۶۰)

اے غلے کے مالک یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی بارش سے ایسا ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ نمی والے حصے کو اوپر کیوں نہیں کر دیتے کہ لوگ دیکھ لیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من باع عیبا لم یبینه لم یزل فی مقت الله ولم تزل الملائکة تلعنه (۶۱)

جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو اس کا عیب نہیں بتایا تو اس پر ہمیشہ اللہ کا غضب رہے گا اور فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

نرخ بڑھانے کے لئے بیع میں مداخلت کرنا: اس کو عربی میں نجش بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فروخت کرنے والا کسی شخص کو اس کام کے لئے مقرر کر دیتا ہے کہ جب کوئی گاہک آئے تو تھوڑے سے توقف کے بعد وہ بھی دوکان پر آجائے اور گاہک کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ قیمت لگا دے، تاکہ گاہک اس چیز کو زیادہ قیمت پر خرید لے۔ یہ ایک بڑا دھوکہ ہے۔ چوں کہ گاہک کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید فرمائی۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من دخل فی شیٔ من اسعار المسلمین لیغلیه علیهم کان حقا علی الله ان یقذفه فی معظم من النار یوم القیامة (۶۲)

جس نے مسلمانوں پر نرخ بڑھانے کے لئے ان کے سودے میں مداخلت کی، اللہ کے ذمے

۶۰۔ ترمذی: ج ۳، ص ۵۶، رقم ۱۳۱۹ ۶۱۔ ابن ماجہ۔ ج ۳، ص ۳۸، رقم ۲۲۴۷

۶۲۔ مسند ابوداؤد الطیالسی۔ کتاب البیوع والمکاسب

(اس مظلوم کا) یہ حق ہے کہ وہ ایسے (مداخلت کرنے والے) شخص کو قیامت کے روز بہت بڑی آگ میں ڈال دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یبتاع المرء علی بیع اخیہ ولا تناجشوا ولا یبیع حاضر لباد (۶۳)

کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی بیع (خرید وفروخت) میں مداخلت نہ کرے، کوئی نجش نہ کرے اور نہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یبیع بعضکم علی بیع اخیہ (۶۴)

کوئی شخص اپنے بھائی کی خرید وفروخت میں مداخلت نہ کرے۔ (اس کا بھاؤ خراب نہ کرے)

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا:

لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یبیع علی بیع اخیہ حتیٰ یترکہ (۶۵)

جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے بھائی کی خرید وفروخت پر معاملہ نہ کرے جب تک کہ وہ اس معاملے کو ترک نہ کر دے۔

پختگی کی علامت سے پہلے پھل فروخت کرنا: ہمارے ملک میں پھل آنے سے پہلے ہی باغوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو پھول آنے سے بھی پہلے باغ بیچ دیا جاتا ہے۔ یہ بیع صحیح نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ باغ کا پھل اس وقت فروخت کرنا چاہئے جب اس کے قابل استعمال ہونے کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انہ نھی عن بیع الثمرۃ حتیٰ یبدوا صلاحھا وعن النخل حتیٰ یزھو، قیل وما یزھو؟ قال یحمار او یصفار (۶۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کو قابل انتفاع ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع

۶۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۲، رقم ۲۱۰۶ ۶۴۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۷، رقم ۲۱۳۹

۶۵۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۲۶، رقم ۲۵۵۰ ۶۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۸، رقم ۲۱۹۷

فرمایا اور کھجور کو زہو سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ زہو کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مائل بہ سرخی یا مائل بہ زردی ہونے کو زہو کہتے ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتبیعوا الثمر حتیٰ یبدوا صلاحه ولا تبیعوا الثمر بالتمر (٦٧)

(درخت پر لگا ہوا) پھل اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ وہ قابل انتفاع نہ ہو جائے اور درخت پر لگی ہوئی کھجور کو خشک کھجور کے بدلے میں نہ بیچو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتبتاعوا الثمر حتیٰ یبدوا صلاحها وتذهب عنه الآمة، قال یبدو صلاحها حمرته وصفرته (٦٨)

پھلوں کو (درختوں پر) اس وقت تک مت بیچو جب تک ان میں پختگی ظاہر نہ ہو جائے اور ان سے آفت کے جانے کا یقین نہ ہو جائے اور فرمایا اس کی پختگی یہ ہے کہ ان (پھلوں) پر سرخی یا زردی ظاہر ہو جائے۔

قبضے سے پہلے مال فروخت کرنا: فروخت کی جانے چیز پر مالک کا قبضہ ضروری ہے۔ آج کل یہ عام ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدنے کے بعد خود اس پر قبضہ حاصل کئے بغیر فوراً ہی اسے دوسرے کو فروخت کر دیتا ہے۔ شرعاً یہ درست نہیں کیوں کہ اس صورت میں بد معاملگی اور باہمی مناقشہ پیش آسکتا ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص مجھ سے وہ چیز فروخت کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے جو میرے پاس موجود نہیں تو کیا میں وہ چیز اسے بیچ سکتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتبع مالیس عندك (٦٩)

تم وہ چیز فروخت مت کرو جو تمہارے پاس موجود نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ابتاع طعاما فلایبیعه حتیٰ یقبضه (٧٠)

٦٧۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۶، رقم ۲۱۸۳ ٦٨۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۴، رقم ۱۵۳۴

٦٩۔ بیہقی۔ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۵۹، رقم ۱۰۵۵۹

٧٠۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۱، رقم ۱۵۲۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۶، رقم ۲۱۳۶

جس نے کھانے کوئی چیز (غلہ وغیرہ) خریدی تو وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت نہ کرے۔

ناپ تول میں کمی کرنا: ناپ تول میں کمی کرنا ایک تو اخلاقی جرم ہے، دوسرے یہ کئی برائیوں کا مجموعہ ہے، مثلاً جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی وغیرہ۔ اس لئے اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر پورا تولنے کا حکم آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (۷۱)

اور پیمانے اور میزان کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

دوسری جگہ ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید آئی ہے جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ○ اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ○(۷۲)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے، جب وہ لوگوں سے لیتے ہیں تو ناپ کر پورا لیتے ہیں جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔

ناپ تول میں کمی ایک تو یہ ہے کہ دکان دار سودا بیچنے میں ڈنڈی مارتا ہے اور خریدار کو وزن یا ناپ کے اعتبار سے چیز کم دیتا ہے۔ عرف عام میں اسی کو ناپ تول میں کمی کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی ڈیوٹی پوری نہیں دیتے، تاخیر سے کام پر پہنچتے ہیں یا وقت سے پہلے کام چھوڑ دیتے ہیں یا وقت تو پورا دیتے ہیں مگر اس میں سوتے رہتے ہیں یا کام کی طرف توجہ نہیں دیتے اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہ سب ناپ تول میں کمی کے زمرے میں آتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں دردناک عذاب کی جو وعید آئی ہے وہ ایسے تمام لوگوں کے لئے بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خمس بخمس قيل يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وماخمس بخمس؟ قال مانقض قوم العهد الاسلط عليهم عدوهم، وماحكمو بغير ماانزل الله الا فشا فيهم الفقر، ولاظهرت فيهم الفاحشة الافشا فيهم الموت ولا منعوا الزكاة الا حبس عنهم القطر ولا طففوا المكيال الا حبس

۷۲۔ التطفیف: ۱۔۳

عنهم النبات واخذوا بالسنين (۷۳)

پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے آتی ہیں۔ صحابہ نے پوچھا وہ پانچ چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ جب کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

۲۔ جب وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ کرتی ہے تو اس میں فقر (افلاس) پھیل جاتا ہے۔

۳۔ جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔

۴۔ جو قوم زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے لگتی ہے، اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔

۵۔ جب وہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے لگتی ہے، تو ان کی زمین سے رویدگی روک لی جاتی ہے اور اسے قحط میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

جلبت انا ومخرمة بزا من هجر فبعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم سراويل ثم وزان يزن بالاجر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم زن وارجح (۷۴)

میں اور مخرمہ مقام ہجر سے کپڑا خرید کر لائے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شلوار فروخت کی، وہاں ایک وزن کرنے والا تھا جو اجرت لے کر وزن کیا کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ وزن کیا کرو اور جھکتا ہوا تولا کرو۔

قسم کھا کر مال بیچنا: مال بیچنے اور گاہک کو مطمئن کرنے کے لئے قسمیں کھانا عام ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں جھوٹی قسمیں کھالینا بھی کوئی عجیب بات نہیں۔ پس جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنا یا ایسی کمائی جس کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اگر چہ وہ اپنی محنت سے حاصل کی گئی ہو حرام اور باطل ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۷۵)

اور اپنا مال آپس میں ناحق طریقے سے مت کھاؤ۔

۷۳۔ ہیثمی۔ مجمع الزوائد: ج ۳، ص ۲۰۳، رقم ۴۳۴۶ ۷۴۔ ابوداؤد طیالسی: کتاب البیوع والمکاسب

۷۵۔ البقرۃ: ۱۸۸

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد خداوندی (ولا تاکلوا الخ) کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریق سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے۔ جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں۔ (۷۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة لاینظر الله الیهم یوم القیٰمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم

تین قسم کے لوگ ہیں، قیامت کے روز نہ تو اللہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک فرمائے گا۔ اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ سن کر ہم نے عرض کیا یہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا:

المنان، والمسبل ازاره، والمنفق سلعته بالحلف الکاذب (۷۷)

۱۔ دے کر احسان جتانے والا ۲۔ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا ۳۔ جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

الحلف منفقة للسلعة، ممحقة للبرکة (۷۸)

(جھوٹی) قسم سامان بکوا دیتی ہے اور برکت مٹا دیتی ہے۔

حرام اشیا کی تجارت: جو چیزیں حرام ہیں ان کی خرید و فروخت بھی حرام اور ناجائز ہے، مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الله تعالیٰ اذا حرم شیأ حرم ثمنه (۷۹)

اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام کی ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۷۶۔ معارف القرآن۔ محمد شفیع: ج۱، ص۴۶۰ ۷۷۔ ترمذی: ج۳، ص۶، رقم ۱۲۱۵

۷۸۔ بخاری: ج۲، ص۱۲، رقم ۲۰۸۷ ۷۹۔ الدارقطنی۔ السنن: ج۳، ص۷

لایحل ثمن شئ لایحل اکلہ وشربہ (۸۰)

اس چیز کی قیمت بھی حلال نہیں ہے جس چیز کا کھانا پینا حلال نہیں ہے۔

بیع منابذہ: عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی اپنا کپڑا فروخت کرنے کے لئے خریدنے والے کی طرف پھینک دیتا تھا۔ قبل اس کے کہ خریدار اس کپڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھے یا اس کپڑے کی طرف دیکھے، صرف کپڑا خریدار کی طرف پھینک دینے ہی سے وہ بیع نافذ سمجھی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الملامسۃ والمنابذۃ (۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا۔

بیع ملامسہ: خرید وفروخت کا یہ طریقہ بھی ممنوع ہے۔ اس میں خریدار کپڑے کو دیکھے بغیر چھو دیتا تھا جس سے وہ بیع نافذ ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منابذہ سے منع فرمایا اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی اپنا کپڑا بیچنے کے لئے خریدار کی طرف پھینک دیتا تھا اور قبل اس کے کہ وہ (خریدار) اسے الٹے پلٹے یا اس کی طرف دیکھے بیع نافذ سمجھی جاتی تھی۔ اور آپ نے (بیع) ملامسہ سے بھی منع فرمایا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ (خریدنے ولا) کپڑے کو دیکھے بغیر صرف اسے چھو دیتا تھا۔ (اس سے بیع نافذ ہو جاتی تھی) (۸۲)

بیع مزابنہ: اس طریقے میں خشک کھجور کو درخت پر لگی ہوئی کھجور کے بدلے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خشک انگور کو تازہ انگور کے بدلے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیوں کہ اس میں ربا کا شبہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المزابنۃ ، قال والمزابنۃ ان یبیع التمر بکیل ان زاد فلی وان نقص فعلی (۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کو

۸۰۔ ایضاً

۸۱۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۹، رقم ۲۱۴۶

۸۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۸، رقم ۲۱۴۴

۸۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۴، رقم ۲۱۷۲

ناپ کر اس شرط پر بیچے کہ اگر زیادہ نکلی (تو جتنی زیادہ ہوگی) وہ میری اور کم نکلی تو میں اسے بھر دوں گا۔

بیع محاقلہ: زمین کو گیہوں کے عوض کرائے پر لینا یا کھیتی کو اس کی پختگی معلوم ہونے سے پہلے فروخت کر دینا یا تہائی یا چوتھائی پیداوار پر بٹائی کرنا یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة والمزابنة (۸۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

بیع مخاضرہ: پکنے سے پہلے ہی فصل کو کھیت میں بیچ دینے کا نام مخاضرہ ہے۔ بیع کی یہ قسم بھی ممنوع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة، والمخاضرة والملامسة والمنابذة، والمزابنة (۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مخاضرہ اور ملامسہ اور منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔

بیع الحصاۃ: یہ جاہلیت کے لوگوں کی بیع کا ایک طریقہ تھا، جس میں فروخت کرنے والا خریدار سے کہتا کہ جب تو میری طرف کنکریاں پھینکے گا تو میرے اور تمہارے درمیان بیع واجب ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الغرر وبيع الحصاة (۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع اور کنکریاں پھینکنے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

بیع حبل الحبلیٰ: یہ بھی جاہلیت کے زمانے کی ایک بیع تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اونٹنی اس وعدے پر مول لیتا کہ جب وہ اونٹنی بچہ جنے پھر (اس کا بچہ) جو اس کے پیٹ میں ہے وہ بچہ جنے تب میں اس کی قیمت ادا کروں گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حبل الحبلیٰ سے منع فرمایا۔ (۸۷)

ان تمام طریقوں سے خرید و فروخت کرنے میں حکمت اور مصلحت بالکل واضح ہے، ان تمام

۸۴۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۶، رقم ۲۱۸۷
۸۵۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۰، رقم ۲۲۰۷
۸۶۔ ترمذی: ج ۳، ص ۱۴، رقم ۱۲۳۴
۸۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۸، رقم ۲۱۴۳

صورتوں میں دھوکے اور ایک فریق کے صاف نقصان کا امکان ہے، جو اسلام پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اگر آئندہ کاروبار کی کوئی ایسی صورت متعارف ہوتی ہے، جس میں ان میں سے کوئی خرابی موجود ہو تو وہ بھی ناجائز تصور کی جائے گی۔

تجارت کے جائز طریقے

اسلام میں ہر شخص کو کاروبار کرنے اور ذاتی جائیداد یا سرمایہ رکھنے کی اجازت ہے۔ کاروبار یعنی تجارت کے بے شمار طریقے ہیں۔ ان میں سے کچھ طریقوں کی اسلام نے اجازت دی اور کچھ کو ناجائز کہا ہے۔ یہاں تجارت کے جائز طریقوں کو بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ **انفرادی کاروبار:** آدمی اپنے سرمائے سے یا تو خود کاروبار کرتا ہے جیسے خردہ فروش یا کچھ لوگوں کو اجرت پر رکھ کر اپنی نگرانی میں ان سے کام لیتا ہے۔ اکثر چھوٹی چھوٹی اور گھریلو صنعتیں اسی طریقے پر چلتی ہیں۔ یہ طریقہ زراعت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کاروبار میں جو کچھ منافع یا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ دو چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ۱۔ سرمایہ لگانے کی بنا پر منافع۔ ۲۔ کاروبار چلانے کی محنت کا معاوضہ یعنی اجرت۔ اجرت کی ادائیگی سرمائے کے مالک کے ذمے ہوتی ہے، خواہ مالک کو نفع ہو یا نہ ہو، کارکن کو پوری پوری اجرت دی جائے گی۔

۲۔ **قراض یا مضاربت:** حجاز کے لوگ اس طریقے کو قراض کہتے ہیں اور اہل عراق اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ انگریزی اصطلاح میں اس کو سلیپنگ پارٹنر شپ (SLEEPING PARTNERSHIP) کہتے ہیں۔ اس طریقے میں تمام سرمایہ ایک آدمی فراہم کرتا ہے اور دوسرا شخص جس کو کارکن یا عامل کہتے ہیں، اس سرمائے پر محنت کرتا ہے، یعنی اس سے تجارت کرتا ہے اور نفع میں سے چوتھائی، تہائی یا نصف جو بھی آپس میں طے ہو جائے لیتا ہے۔

قراض یا مضاربت میں اگر نفع ہوتا ہے تو کارکن کو اس کا مقررہ حصہ ملتا ہے، بہ صورت دیگر اس کو کچھ نہیں ملتا۔ پس قراض کے کاروبار میں سرمایہ دار اور محنت کرنے والا کارکن دونوں نفع حاصل کرتے ہیں یعنی سرمایہ دار اپنے سرمائے کی بنا پر اور مضارب اپنی محنت کے نتیجے میں نفع کا حق دار ہوتا ہے۔ اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو دونوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح سرمایہ لگانے والے کا سرمایہ ضائع ہوا اسی طرح کاروبار چلانے والے کارکن کی محنت ضائع ہوئی۔ لہٰذا نقصان کی صورت میں کارکن کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلام نے اس قسم کے کاروبار کو جائز قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینیں خیبر کے

یہودیوں کو اس شرط پر بٹائی پر دی تھیں کہ وہ اس میں کام کریں اور جو کچھ اس کی پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کو ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر الیھود، ان یعملوھا، ویزرعوھا، ولھم شطر مایخرج منھا (۸۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی یہود کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کام کریں اور اس کو کاشت کریں، جو کچھ اس کی پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کو ملے گا۔

لیکن اس صورت میں کارکن کے لئے چند شرائط ہیں

۱۔ کارکن اپنی محنت اور بھاگ دوڑ کی وجہ سے نفع میں حصہ پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

۲۔ کارکن کے پاس سرمایہ امانت کے طور پر ہوتا ہے اس لئے اگر سرمایہ ضائع ہو جائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں۔

۳۔ کارکن کی حیثیت وکیل (ایجنٹ) کی ہے اور وہ سرمایہ دار کی رضا مندی سے اس مال میں تصرف کرتا ہے، اس لئے وہ اس مال سے اشیا کی خرید وفروخت وغیرہ کا اختیار رکھتا ہے۔

۴۔ نفع حاصل ہونے کی صورت میں وہ اپنی محنت کی بنا پر نفع میں شریک ہوتا ہے۔

۵۔ اگر معاہدہ فاسد ہو جائے تو کارکن اجرت پانے کا مستحق ہے۔

۶۔ اگر کارکن معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو غاصب سمجھا جائے گا، کیوں کہ اس نے دوسرے کے مال پر زیادتی کی ہے۔

۷۔ اپنے ہی شہر میں کاروبار کرنے کی صورت میں کارکن صرف منافع سے حصہ پائے گا۔

۸۔ اگر کارکن کو کاروبار کے لئے سفر کی ضرورت پڑے تو کھانے، پینے، لباس اور سواری کے اخراجات رواج کے مطابق پانے کا مستحق ہوگا۔

۹۔ نفع کی تقسیم سرمایہ دار کی موجودگی میں ہوگی۔

۳۔ شراکت: سرمایہ کاری کا یہ طریقہ بھی زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بھی یہ طریقہ رائج تھا۔ آپ نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ کوئی شخص تنہا کسی بڑے تجارتی یا صنعتی کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس کام کو انجام دینے کے لئے دو یا دو سے زیادہ افراد مشترکہ سرمائے اور محنت کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے ہیں اور نفع یا نقصان میں بھی وہی دونوں یا زیادہ

۸۸۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۹۴، رقم ۲۷۲۰

افراد شریک ہوتے ہیں، جنہوں نے سرمایہ فراہم کیا اور محنت کی۔ اسی کو شراکت کہتے ہیں۔ اس میں سرمایہ بھی مشترک ہوتا ہے اور نفع ونقصان میں بھی سب حصے دار شریک ہوتے ہیں۔ شراکت کا تعلق اگر زراعت اور کھیتی باڑی سے ہو تو اس کو مزارعت کہتے ہیں۔ اگر اس کا تعلق درختوں وغیرہ سے ہو تو اس کو مساقات کہتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں چند شرائط کے ساتھ جائز کاروباری صورتیں ہیں۔ اس کی تفاصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

شرکت کی چند قسمیں ہیں:

الف۔ شرکت المفاوضہ: اس میں تمام شرکا لازمی طور پر کاروبار میں برابر برابر سرمایہ لگاتے ہیں۔ تصرف کرنے اور قرض ادا کرنے میں بھی سب شریک ہوتے ہیں۔

ب۔ شرکت العنان: اس کاروبار میں شرکا کا سرمایہ برابر نہیں ہوتا۔ اس میں کسی شریک کو یہ حق نہیں کہ وہ مشترکہ مال میں سے کسی کو قرض دے۔

ج۔ شرکت الصنائع یا شرکت الابدان: اس میں کاری گر اور دیگر کام کرنے والے مزدور مل کر کام کرتے ہیں، مثلاً دو درزی اس شرط پر شرکت کریں کہ وہ لوگوں کے آرڈر لے کر کام کریں گے اور اس کی آمدنی دونوں کے لئے مشترک ہوگی۔

د۔ شرکت الوجوہ: اس میں دو آدمی کسی سرمائے کے بغیر یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی ساکھ اور اعتبار کی وجہ سے خرید وفروخت کریں گے اور نفع میں شریک رہیں گے۔ اس میں دونوں کو برابر نفع ملے گا۔ نفع میں کمی بیشی جائز نہیں۔

مرابحہ: یہ بھی بیع کی ایک شکل ہے۔ اس میں فروخت کرنے والا اپنا نفع رکھ کر خریدار کو چیز فروخت کرتا ہے۔

بیع سلم: پیشگی دام دے کر مال خریدنا۔

تولیہ: یہ بھی خرید وفروخت کی ایک شکل ہے، جس میں فروخت کرنے والا خریدار کو باور کراتا ہے کہ وہ اسی دام پر اس کو دے رہا ہے جس دام پر وہ چیز لی گئی ہے۔

کمیشن کاروبار: اسلام میں کمیشن لے کر کاروبار کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی (سمسار) سے کہا جائے کہ اس کپڑے کو بیچو اور فلاں فلاں قیمت سے زیادہ جو کچھ ملے وہ تمہارا ہے۔ (۸۹)

۸۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۶۰، رقم ۲۲۷۴

نیلام یا بیع مزایدہ: نیلام کو عربی میں بیع مزایدہ کہتے ہیں۔ اس میں ایک آدمی دوسرے آدمی کی بولی پر بولی دیتا ہے جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ چوں کہ اس میں نیلام کرنے والے اور بولی دینے والے تمام لوگوں کی رضامندی ہوتی ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل نیلام میں کچھ ایسی چیزیں داخل ہوگئی ہیں جو ناجائز اور حرام تک ہیں، اس لئے شریعت کی حدود کے اندر نیلام کی اجازت ہے اس سے باہر اجازت نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے پوچھا کیا تیرے گھر میں کچھ ہے۔ اس نے عرض کی ہاں ایک کمبل ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں چیزیں لے آیا۔ آپ نے دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں۔ آپ نے دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور اس سے دو درہم لے لئے۔ پھر آپ نے اس انصاری کو وہ دونون درہم دے کر فرمایا کہ ایک درہم سے کھانے کی چیزیں لے کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ جب وہ کلہاڑی لے کر آیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور پھر اس سے کہا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹ کر بیچو اور پندرہ دن تک میں تمہیں نہ دیکھوں۔ چناں چہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور بیچتا رہا۔ پھر وہ آیا تو اس کے پاس دس درہم تھے۔ اس نے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرے مانگنے کی وجہ سے قیامت کے روز تیرے چہرے پر ایک داغ ہو۔ (۹۰)

ارتکاز دولت کا انسداد

سرمایہ داری کی جو لعنت سود اور ارتکاز کی شکل میں دنیا پر مسلط ہے اس سے چھٹکارے کی راہ بھی اسلام کے سوا کوئی نہیں دکھاتا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں حکومت ارتکاز دولت کے معاملے میں بالکل بے بس ہوتی ہے، مگر اسلامی نظام میں حکم راں کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی پر ظلم و زیادتی کئے بغیر شریعت اسلامی کو نافذ

۹۰۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۴۱، رقم ۱۶۴۱

کرے۔اس غرض کے لئے اس کو اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے وسیع اختیارات حاصل ہوتے ہیں، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو نافذ کر سکے جس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ سکتی۔ اسلامی قوانین میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں جس کا مقصد مال و دولت کو چند مخصوص افراد تک محدود رکھنا ہو۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں واضح الفاظ میں اعلان کیا ہے:

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ (۹۱)

تاکہ دولت تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو قوانین وضع کئے ان کا مقصد یہ ہے کہ دولت کو مسلسل تقسیم اور گردش میں رکھا جائے۔ ارتکاز دولت کا انسداد ان احکام و قواعد سے بہ خوبی حاصل ہو جاتا ہے جو قرآن و حدیث میں مقرر ہوئے ہیں، مثلاً زکوٰۃ، وصیت کے اختیار کی تحدید، میت کی جائیداد میں اس کے وارثوں کے حصے، حکومت کی آمدنی میں سے غریبوں اور محتاجوں کا حصہ لازمی طور پر مقرر کیا جانا، مختلف کفارات، رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اسی طرح کے دوسرے احکام وغیرہ۔ اسلام انفرادی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اس سے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح اسلام کا معاشی نظام ایک مکمل نظام کی حیثیت رکھتا ہے، جو نہ سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکی بلکہ اس میں دونوں کی خوبیاں موجود ہیں اور یہ دونوں کی خامیوں سے پاک ہے۔ اسلام نے ارتکاز دولت کے انسداد کے لئے جو اقدامات تجویز کئے، ذیل میں ان کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے:

۱۔زکوٰۃ۔۲۔عشر۔۳۔کفارات۔۴۔صدقات نافلہ۔۵۔وصیت۔۶۔وراثت۔۷۔اوقاف۔

۱۔زکوٰۃ

یہ اسلام کے پانچ بنیادی فرائض میں سے ایک فرض اور مالی عبادت ہے، جو سابقہ انبیا علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی دینی فریضے کی حیثیت سے جاری رہی، اگرچہ نصاب زکوٰۃ، مقدار زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ کی صورتیں مختلف رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال کا کچھ حصہ خرچ کرنے کی قدر مشترک سب میں یکساں ہیں۔ فقہا کی اصطلاح میں زکوٰۃ مال کے اس حصے کو کہتے ہیں جو مال دار مسلمان اللہ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ان نادار مسلمانوں کو دیتا ہے جو شرعاً زکوٰۃ لینے کے حق دار ہیں، اور وہ اس مال سے اپنا نفع بالکل ختم کر کے ان (مستحقین زکوٰۃ) کو اس مال کا مالک

۹۱۔الحشر:۷

بنا دیتا ہے۔ اس کی اصل غرض مال داروں سے دولت لے کر ناداروں میں تقسیم کرنا ہے۔ اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ اس کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔ زکوٰۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جو خود بڑھتا ہو یا کام کر کے اس کو بڑھایا جاسکتا ہو۔ قرآن کریم میں نماز کی طرح زکوٰۃ کا بھی کثرت سے ذکر آیا ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کی مدت ایک سال مقرر کی ہے اور ہر سال اس کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہر صاحب نصاب پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل ہونے سے پہلے صحابہ کرام کی یہی عادت تھی کہ جو کچھ کماتے اس میں سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ سب صدقہ کر دیتے تھے، اور ہر شخص اپنی اپنی زکوٰۃ خود ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ط (۹۲)

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک وصاف کر دیں گے اور آپ ان کے لئے دعائے خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کے مصرف پر خرچ کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیا گیا۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مستقل حکم ہے، جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے اموال کی زکوٰۃ وصدقات جمع کرنے اور پھر قرآن کریم کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ (۹۳)

سونے چاندی کا نصاب: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ نصاب کے برابر سونا یا چاندی یا نقد رقم یا تینوں کو ملانے سے نصاب پورا ہو جائے اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو (عامل بنا کر) یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

فاذا اطاعوبها فخذمنهم، وتوق کرائم اموال الناس (۹۴)

۹۲۔ التوبہ: ۱۰۳ ۹۳۔ مولانا سید زوار حسین شاہ۔ عمدۃ الفقہ: ج ۳، ص ۱۲

۹۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۵۸، رقم ۱۴۵۸

جب وہ اسے مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور زکوٰۃ کے طور پر عمدہ چیزیں لینے سے اجتناب کرنا۔

سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق (زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے) ہمارے پاس آیا۔ میں اس کے پاس جا کر بیٹھا اور اس کو سنا۔ وہ کہتا تھا کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم دودھ پلانے والے جانور نہ لیں اور جدا جدا مال کو ایک جگہ نہ کریں (زکوٰۃ بڑھانے کے لئے) اور ملے ہوئے مال کو جدا نہ کریں۔ ایک شخص ان کے پاس اونچی کوہان والی زبردست اونٹنی لے کر آیا اور کہا کہ لو۔ اس نے انکار کر دیا۔ (۹۵)

صدقۃ الفطر: یہ بھی زکوٰۃ ہی کی قسم سے ہے اور ماہ رمضان کے اختتام پر نماز عید سے پہلے یا بعد میں گھر کے ہر فرد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ۔ اس کی مقدار گیہوں میں نصف صاع اور جو اور کھجور میں ایک صاع ہے۔ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ: جو مال تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو وہی مال تجارت ہے۔ اگر اس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جس شہر میں مال تجارت موجود ہو اسی شہر کے نرخ سے قیمت لگائی جائے گی۔ اگر مال تجارت جنگل میں ہو تو اس کی قیمت اس شہر کی قیمت کے مطابق لگائی جائے گی جو وہاں سے زیادہ قریب ہو۔

سائمہ یعنی جنگل میں چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ: جو جانور جنگل میں چرتے ہیں اور ان کی چرائی پر مالک کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا، ایسے جانور خواہ تمام نر ہوں یا تمام مادہ یا ملے جلے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، بہ شرطے کہ وہ بہ قدر نصاب ہوں۔ سائمہ جانوروں میں اونٹ، گائے اور بکری شامل ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور سائمہ پر زکوٰۃ نہیں۔

اونٹوں کی زکوٰۃ: اونٹوں کا نصاب پانچ اونٹ ہیں۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ نصاب کے اونٹ خواہ نر ہوں یا مادہ یا ملے جلے ہوں، پانچ اوٹ سے لے کر ۲۴/اونٹ تک ہر پانچ اونٹ پر زکوٰۃ میں ایک ایسی بکری دینا واجب ہے جس کی عمر کا پہلا سال پورا ہو کر دوسرا سال شروع ہو گیا ہو، خواہ وہ بکری مادہ ہو یا نر۔

۲۵/اونٹ پر ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کی عمر کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔ ۳۶/اونٹوں پر

۹۵۔ نسائی۔ کتاب الزکوٰۃ باب الجمع بین المتفرق والتفریق بین المجتمع: ج ۲، ص ۱۳۱

ایک ایسی اونٹنی دی جائے گی جس کی عمر کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔(۹۶)

اونٹوں کی زکوٰۃ میں مادہ جانور دیا جائے گا، نر جائز نہیں۔ البتہ جب بکری واجب ہوتی ہے تو اس کا نر اور مادہ دونوں جائز ہیں۔

گائے، بیل، بھینس وغیرہ کی زکوٰۃ: گائے اور بھینس خواہ نر ہو یا مادہ، دونوں کا نصاب ایک ہے۔ جنگل میں چرنے والی گائے اور بھینس کا نصاب تیس گائے یا تیس بھینسوں کا ہے۔ اگر گائے اور بھینس دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملا کر زکوٰۃ میں وہ جانور دیا جائے گا جو تعداد میں زیادہ ہو۔ اگر تعداد میں گائے زیادہ ہوں گی تو گائے کا ایک ایسا بچہ دیا جائے گا جس کی عمر کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو اور اگر بھینس زیادہ ہو تو بھینس کا ایک بچہ دیا جائے گا جس کی عمر کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔(۹۷)

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ: جنگل میں چرنے والی بھیڑ و بکریوں کا نصاب چالیس ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ جب تعداد چالیس ہو جائے اور اس پر پورا سال گزر جائے تو زکوٰۃ میں ایک بکری یا بھیڑ واجب ہوگی۔ ۱۲۱ کی تعداد پر ۲ بکریاں یا ۲ بھیڑیں واجب ہوں گی۔(۹۸)

گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر وہ تجارت کے لئے ہوں اور ان کی قیمت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ لی جائے گی خواہ وہ گھوڑے جنگل میں چرتے ہوں یا گھر پر گھاس کھاتے ہوں۔

گدھے، خچر، سدھائے ہوئے کتوں اور ہرن وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہوں تو تجارتی مال کی طرح قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو جانور ہل چلانے، زمین سیراب کرنے یا بار برداری کے کام آتے ہیں یا نصف سال سے زیادہ گھر پر چارہ کھاتے ہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں۔

مصارف زکوٰۃ: زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے آٹھ مصارف ہیں:

۱۔ **فقیر:** جس کے پاس تھوڑا سا بڑھنے والا مال ہو اور وہ قرض سے بچا ہوا ہو اس کو فقیر کہتے ہیں۔ فقیر عالم کو زکوٰۃ دینا، فقیر جاہل کو دینے سے افضل ہے۔ غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی خواہ وہ ذمی (جزیہ دینے والا) ہو یا حربی (جو غیر مسلم ریاست میں رہتا ہو)۔(۹۹)

۹۶۔ مزید تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔ ۹۷۔ مزید تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔

۹۸۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ دیکھئے۔

۹۹۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی۔ تفسیر مظہری: ج ۴، ص ۲۳۱۔ عمدۃ الفقہ: ج ۳، ص ۱۲۷

۲۔ **مسکین**: مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اپنے کھانے یا بدن ڈھانپنے کے لئے مانگنے پر مجبور ہو اور اس کے لئے سوال کرنا حلال ہو۔ زکوٰۃ کے حکم کے اعتبار سے فقیر اور مسکین دونوں یک ساں ہیں کہ جس کے پاس اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد بہ قدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔(۹۹)

۳۔ **عامل**: عامل اس کارکن کو کہتے ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ عامل کو اوسط درجے کا خرچ دیا جائے گا۔(۱۰۰)

۴۔ **مؤلفۃ القلوب**: ان کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ وہ جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تالیف قلب کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۲۔ وہ جو مسلمان تو ہو چکے تھے مگر ان کا ایمان قوی نہ تھا۔ جیسے عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس اسلمی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اس لئے عطا کیا کہ ان کا اسلام قوی ہو جائے۔

۳۔ وہ لوگ جن کو اس لئے عطا کیا گیا تا کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس تیسری قسم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں کفار و مانعین زکوٰۃ سے قتال کے لئے صدقات وغیرہ عطا کر کے ان کی تالیف قلب کی گئی۔

یہ تالیف قلب اب ختم ہو چکی ہے، کیوں کہ اللہ نے اسلام کو عزت عطا کر دی ہے۔(۱۰۱)

۵۔ **رقاب**: اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے مال کی ایک خاص مقدار متعین کر کے کہہ دیا کہ اگر تم اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ شرعی اصطلاح میں اس کو مکاتب کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے۔ غلام کی گلو خلاصی کے لئے دینا فقیر و مسکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔

۶۔ **غارم یعنی قرض دار**: اگر مقروض کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہے بہ شرطے کہ وہ شخص غیر ہاشمی ہو۔ غلام کی گلو خلاصی کی طرح قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے لئے دینا عام فقرا و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔(۱۰۲)

۹۹۔ مظہری: ج ۴، ص ۲۳۲۔ معارف القرآن: ج ۴، ص ۳۹۶ ۱۰۰۔ مظہری: ج ۴، ص ۲۳۳

۱۰۱۔ مرغینانی۔ ہدایۃ کتاب الزکاۃ: ج ۱، ص ۱۸۲ ۱۰۲۔ معارف القرآن: ج ۴، ص ۴۰۶

۷۔ فی سبیل اللہ: اس سے وہ غازی مراد ہیں جو اپنے فقر کی وجہ سے خرچہ یا سواری نہ ہونے کی بنا پر جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت سے عاجز ہوں۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ طالب علموں اور دین دار مستحق عالموں کو دینا بڑا ثواب ہے۔ (۱۰۳)

۸۔ مسافر: ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ جو مسافر وطن سے دور ہونے کی بنا پر اپنے مال سے جدا ہے اور اس کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہے یا اس کا مال چوری ہو گیا ہے یا کوئی اور ایسی وجہ ہوگئی کہ گھر تک پہنچنے کا خرچ نہیں رہا تو ایسے مسافر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو۔ ایسے مسافر کو اپنی ضرورت کے لئے لینا جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ لینا حلال نہیں۔ (۱۰۴)

۲۔ عشر

فصل اور پھلوں کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں۔ پیداوار خواہ کم ہو یا زیادہ سب میں عشر واجب ہوتا ہے بہ شرطے کہ پیداوار کی مقدار ایک صاع (ساڑھے تین سیر انگریزی) سے کم نہ ہو۔ زرعی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لئے پورا سال گزرنا شرط نہیں بل کہ سال میں جتنی مرتبہ پیداوار حاصل ہوگی اتنی ہی دفعہ عشر واجب ہوگا۔ سبزیوں وغیرہ میں بھی عشر واجب ہے۔ جو زمینیں، بارش کے پانی، ندی نالوں اور نہروں وغیرہ سے آلات کے بغیر سیراب ہوتی ہیں ان میں دسواں حصہ (عشر) واجب ہے۔ اگر زمین کو کنوئیں، رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ آلات سے سیراب کیا گیا، ہو یا پانی خرید کر زمین سیراب کی گئی ہو تو نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فیما سقت السمآء والعیون، اوکاعثریا، العشر وماسقی بالنضح نصف العشر (۱۰۵)

وہ زمین جسے آسمان (بارش کا پانی) یا چشمہ سیراب کرتا ہو یا وہ خود بہ خود سیراب ہوتی ہو، اس کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے گا اور جو زمین کنوئیں سے پانی کھینچ کر سیراب کی جائے اس سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف اوپر بیان ہوئے ہیں، عشر کے مصارف بھی وہی ہیں۔

۱۰۳۔ عمدۃ الفقہ: ج ۳، ص ۱۳ ۱۰۴۔ عمدۃ الفقہ: ج ۳، ص ۱۳۱

۱۰۵۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۶۵، رقم ۱۴۸۳۔ مسلم: ج ۲، ص ۷۵، رقم ۹۸۱۔ ترمذی: ج ۲، ص ۱۳۳، رقم ۶۳۹۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۵۷۹، رقم ۱۸۱۶

۳۔ وراثت

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو وہ نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ نیز یہ کہ اگر باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان، ایسی حالت میں وراثت کا قانون نافذ نہیں ہوسکتا تھا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کفالت کے لئے مہاجرین وانصار میں مواخات کا رشتہ قائم فرمایا جس سے مہاجرین وانصار آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور ان کو سگے بھائیوں جیسے حقوق حاصل ہوگئے۔ لہٰذا اگر کوئی انصاری مرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کی جائیداد کا وارث وحق دار ہوتا۔ یہ صورت حال جنگ بدر تک رہی۔ عربوں میں اس سے پہلے بھی یہ دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں معاہدہ کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ جب ان دونوں میں سے کوئی مرتا تو دوسرا اس کا وارث ہوتا۔ پھر ۳ ہجری میں قرآن کریم نے یہ قاعدہ منسوخ کردیا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ (۱۰۶)

اور جو لوگ رشتے دار ہیں وہ اللہ کے حکم کی رو سے آپس میں ایک دوسرے (کی وراثت) کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد مواخات کی بنا پر وراثت موقوف ہوگئی اور خاندان اور قرابت داروں میں وراثت جاری ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ (۱۰۷) کے بارے میں فرمایا کہ موالی کے معنی ورثا کے ہیں اور وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ (۱۰۸) کا مطلب یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینے آئے تو مہاجرین کے ورثا انصاری ہوتے تھے، ان کے رشتے دار وارث نہیں ہوتے تھے۔ یہ اس اخوت کی وجہ سے تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ پھر (مہاجرین کے ورثا کے آجانے کے بعد) جب آیت وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ نازل ہوئی تو پہلی آیت وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ منسوخ ہوگئی (یعنی پہلی مواخات منسوخ ہوگئی) سوائے امداد، تعاون اور خیر خواہی کے (یہ مسلمان پر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے ضروری ہے) اور وصیت جتنی چاہے کی جاسکتی ہے۔(۱۰۹)

۱۰۶۔ الانفال: ۷۵　　۱۰۷۔ النسا: ۳۳

۱۰۸۔ النسا: ۳۳　　۱۰۹۔ بخاری: ج ۲، ص ۶۶، رقم ۲۲۹۲

غزوہ احد کے موقع پر ایسے بہت سے صحابہ شہید ہو گئے جو شہادت سے پہلے وصیت نہ کر سکے اس لئے ان کی میراث کی تقسیم میں دقت پیش آئی۔ آخر ۳ھ میں سورۂ نسا کی آیات ۱۱-۱۴ میں وراثت کے مفصل احکام نازل ہوئے جن کی رو سے مردوں، عورتوں اور دیگر رشتے داروں کے حصے مقرر ہوئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی عورت اپنی دونوں لڑکیوں کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دونوں سعد کی بیٹیاں ہیں جو احد کے دن آپ کے ساتھ شہید ہو گئے۔ جو کچھ مال ان کے باپ نے چھوڑا تھا وہ سب ان کے چچا نے لے لیا ہے۔ اور لڑکی کا نکاح اسی وقت ہوتا ہے جب اس کے پاس مال ہو۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ آیت میراث (**یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ**)(۱۱۰) آخر تک نازل ہوئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع کے بھائی کو بلایا اور فرمایا:

اعط ابنتی سعد ثلثی مالہ واعط امرء تہ الثمن وخذ انت ومابقی (۱۱۱)

سعد کے مال میں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو ۲ تہائی مال دے دو اور اس کی عورت کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو کچھ باقی بچے وہ تم لے لو۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے، اس وقت میں بنی سلمہ میں مریض تھا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں اپنا مال اپنی اولاد میں کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ آیت **یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ** نازل ہوئی۔ (۱۱۲)

میراث وہ مال ہے جو کسی کے مرنے پر شرعی طور پر اس کے وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے یا وصیت کے ذریعے کسی خاص وارث کو یا کسی اور کو ملتا ہے۔ یورپ میں عموماً مرنے والے کا سارا ترکہ اس کے بڑے لڑکے کو مل جاتا ہے اور باقی سب محروم رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر مرنے والا چاہے تو اپنی اولاد کو محروم کر کے اپنے سارے ترکے کی وصیت کسی بھی شخص کے نام کر سکتا ہے۔ اس سے دولت تقسیم ہونے اور پھیلنے کی بہ جائے سمٹتی اور محدود ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ اپنی لڑکیوں کو میراث میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اسی طرح متوفی

۱۱۰۔ النساء: ۱۱

۱۱۱۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۲۰۲، رقم ۲۷۲۰۔ ترمذی: ج ۴، ص ۲۸، رقم ۲۰۹۹

۱۱۲۔ ترمذی: ج ۴، ص ۳۰، رقم ۲۱۰۳

کی بیوی صرف ترکے ہی سے محروم ہی نہیں رہتی تھی بل کہ وہ خود کسی وارث کو ترکے میں مل جاتی تھی۔ متوفی کے چھوٹے لڑکے بھی میراث میں حصہ پانے سے محروم رہتے تھے۔ متوفی کے صرف بڑے بیٹے کو میراث میں حصہ ملتا تھا۔ اگر بڑا بیٹا نہ ہوتا تو متوفی کا باپ یا بھائی میراث میں حصہ پاتا، کیوں کہ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں صرف ان کو میراث میں حصہ دیتے تھے جو دشمن سے جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر کسی کے اولاد نہ ہوتی تو وہ کسی کو متبنیٰ بنالیتا اور اس کی تمام دولت اس لے پالک کو مل جاتی۔

اس کے برعکس اسلام نے جنگی صلاحیت کی بہ جائے نسبی تعلق کو بنیاد بنایا اور قرار دیا کہ متوفی کا ترکہ اس کی اولاد میں تقسیم کیا جائے گا، خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، مذکر ہو یا مؤنث، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے بعد یہی دولت اور جائیداد ان کے ورثا میں تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام نے بیوی کو ترکے کا مستحق قرار دیا ہے۔ اسی طرح دولت چند افراد میں محدود نہیں رہتی بل کہ وہ پورے معاشرے میں گردش کرتی رہتی ہے۔

نظام وراثت کی خصوصیات

اسلامی نظام وراثت کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ قرابت کے لحاظ سے وارثوں کی ایک طویل فہرست رکھی گئی ہے جس سے متروکہ دولت زیادہ سے زیادہ تقسیم ہوتی اور پھیلتی ہے۔

۲۔ دنیا کے تمام نظام ہائے وراثت کے برعکس، اسلام نے عورتوں کو بھی میراث کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّاتَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا O (۱۱۳)

مردوں کے لئے بھی اس مال میں ایک حصہ ہے جو والدین اور اقربا چھوڑ کر جائیں اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں ایک حصہ ہے جو والدین اور اقربا چھوڑ کر جائیں۔ تھوڑے میں سے بھی اور زیادہ میں سے بھی ایک حصہ مقرر ہے۔

۳۔ اسلام نے مرنے والے کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی وارث کو محروم کردے یا کسی حصے میں ترمیم کردے۔

۱۱۳۔ النسا: ۷

۴۔ چھوٹی اور بڑی اولاد میں کوئی فرق نہیں کیا گیا بل کہ سب کو برابر حصہ دیا گیا ہے۔
۵۔ کسی وارث کے لئے اس کے وراثت کے حصے کے علاوہ کسی قسم کے مال کی وصیت کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اس طرح متوفی کے مال میں سے کوئی وارث اپنے وراثت کے حصے کے سوا کچھ نہیں پا سکتا۔
۶۔ متوفی وارثوں کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے وصیت کر سکتا ہے۔ اس طرح وراثت کی تقسیم سے پہلے دولت کا ایک حصہ وصیت پر صرف ہو جاتا ہے۔
۷۔ وصیت کرنے والے کو صرف ایک تہائی مال تک کی وصیت کا اختیار ہے۔ اس طرح اقربا کے حقوق بھی محفوظ ہو گئے اور ارتکاز دولت کے اس خطرے کا بھی سد باب ہو گیا جو پورے مال کی وصیت کی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا۔

۴۔ وصیت

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ صلے الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ O فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَاسَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۱۱۴)

تم پر یہ بات فرض کر دی گئی کہ جب تم میں سے کسی کی موت نزدیک آئے اور وہ ترکے میں کچھ مال چھوڑے تو اس کو ماں باپ اور رشتے داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنی چاہئے۔ یہ پرہیزگاروں پر ضروری ہے۔ پھر جو شخص اس وصیت کو سن کر بدل دے تو اس کا گناہ اسی پر ہے جو اس کو بدلتا ہے۔ بے شک اللہ خوب سننے والا ہے۔ اور جس کو وصیت کرنے والے کی جانب سے طرف داری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو اور اس نے ان میں صلح کرا دی تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اسلام میں جب تک میراث کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ مرنے والا اپنے ترکے کے ایک تہائی میں اپنے والدین اور دوسرے رشتے داروں کے لئے جتنا دینا مناسب سمجھے اس کی وصیت کر دے۔ باقی دو تہائی جو بچتا تھا وہ اولاد کا حق ہوتا تھا۔ اس آیت میں وصیت کے اسی حکم کا بیان ہے۔ اس

۱۱۴۔ البقرۃ: ۱۸۰۔۱۸۲

کے تین جز ہیں:

۱۔مرنے والے کے ترکے میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہیں۔ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد پر ہوگا۔

۲۔ایسے رشتے داروں کے لئے وصیت کرنا مرنے والے پر فرض ہے۔

۳۔ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں۔

ان تینوں احکام میں سے پہلا حکم اکثر صحابہ وتابعین کے نزدیک میراث کی آیات نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوگیا۔دوسرا حکم جس کی رو سے رشتے داروں کے لئے وصیت کرنا فرض ہے وہ باجماع امت منسوخ ہے،کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ اللہ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دے دیا ہے،اس لئے اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔البتہ جو رشتے دار شرعی وارث نہیں ان کے لئے ایک تہائی مال تک وصیت کرنے کی اجازت ہے۔تیسرا حکم جس میں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں،اب بھی باقی ہے۔البتہ وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی مال سے زیادہ بل کہ پورے مال کی وصیت جائز ہے۔(۱۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحقوا الفرائض باھلھا، فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (۱۱۶)

میراث اس کے مستحق تک پہنچادو اور جو کچھ بچے وہ سب سے زیادہ قریبی مرد رشتے دار کا حصہ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔میں اس وقت مکے میں تھا۔(حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے موقع پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سرزمین پر موت کو پسند نہیں فرماتے تھے جہاں سے کوئی ہجرت کر چکا ہو۔آپ نے فرمایا:

یرحم اللہ بن عفراء، قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصی بمالی کلہ؟ قال لا، قلت فالشطر؟ قال لا، قلت الثلث: قال فالثلث والثلث کثیر، انک ان تدع ورثتك اغنیاء خیر من ان تدعھم عالة یتکففون الناس فی ایدیھم وانك مھما انفقت من نفقة فانھا صدقة حتی اللقمة التی ترفعھا الی

۱۱۵۔مفتی محمد شفیع۔معارف القرآن:ج۱،ص۴۳۹۔۴۴۰

۱۱۶۔بخاری:ج۴،ص۲۶۵،رقم ۶۷۳۲

فی امرأتك دعي الله ان یرفعك فینتفع بك ناس ویضربك آخرون ولم یکن له یومئذ الا ابنة (۱۱۷)

اللہ ابن عفراء (سعد) پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں (اللہ کی راہ میں) اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں عرض کیا پھر آدھے کی کردوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا تہائی کی کردوں۔ آپ نے فرمایا ایک تہائی کی کرسکتے ہو اور ایک تہائی بہت ہے۔ اگر تم اپنے وارثوں کو اپنے پیچھے مالدار چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم جب بھی خرچ کروگے تو وہ صدقہ ہوگا، یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالوگے۔ ممکن ہے اللہ تمہیں شفا دے اور بہت سے لوگوں کو تم سے فائدہ ہو اور دوسرے بہت سے لوگ (اسلام کے مخالف) نقصان اٹھائیں۔ اس وقت تک حضرت سعد کی ایک صاحبزادی تھی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد کی بیماری بہت سنگین تھی اور بچنے کی امید نہیں تھی۔ اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں دینے کے بارے میں پوچھا۔ ان کے متعلق آپ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور اس واقعے کے بعد وہ پچاس سال تک زندہ رہے اور اسلام میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔

۵۔ صدقات نافلہ

قرآن کریم میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے دیئے ہوئے رزق میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (۱۱۸)

اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرلو جس دن نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔

۱۱۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۰۵، رقم ۲۷۴۲ ۱۱۸۔ البقرۃ: ۲۵۴

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ O (۱۱۹)

اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اس آیت میں مغفرت کو جنت پر مقدم کرنے میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ مغفرت الٰہی کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں، کیوں کہ انسان اگر تمام عمر بھی نیک کام کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہوسکتے، بل کہ انسان کو دنیا میں جو نعمتیں حاصل ہیں اس کے اعمال تو ان میں سے بھی کسی ادنی نعمت کا بدل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے جنت میں لے جانے والی صرف مغفرت الٰہی اور اس کا فضل ہے۔ اگر چہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہوسکتے، مگر اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت یہی ہے کہ وہ اپنے فضل سے اسی بندے کو نوازتا ہے جو اس پر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اس لئے اعمال صالحہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

قال اللہ تبارك وتعالیٰ یاابن آدم انفق انفق علیك وقال یمین اللہ ملائی سحاء لایغضیضھا شئ اللیل والنھار (۱۲۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر کہ میں بھی تیرے اوپر خرچ کروں اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن خرچ کرنے سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر اسلامی ریاست اور غریبوں کی ضروریات کے لئے صحابہ کرام کو صدقات نافلہ کی طرف متوجہ فرمایا تو لوگوں نے خوب دل کھول کر اس میں حصہ لیا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سواری مہیا کرنے کی ترغیب دی تو صحابہ کرام اپنی استطاعت کے مطابق اونٹ اور مال لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے کل اثاثے نقد وجنس کا نصف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا کل مال لے آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین سو اونٹ لدے ہوئے مع ساز وسامان اور ایک ہزار اشرفی نقد لائے۔ آپ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی

۱۱۹۔ آل عمران: ۱۳۳

۱۲۰۔ مسلم: ج ۲، ص ۸۶، رقم ۹۹۳

اس سے راضی ہو جا۔ نادار صحابہ نے مزدوری کر کے جو کچھ حاصل کیا وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، عورتوں نے اپنے زیورات لا حاضر کئے۔

ایک اور موقع پر جب قبیلہ مضر کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا فقر و فاقہ اور افلاس و ناداری دیکھ کر بے تاب ہو گئے، چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فوراً لوگوں کو جمع فرما کر صدقے کی ترغیب دی۔ چناں چہ حضرت منذر بن جریر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ دن کے شروع میں کچھ لوگ ننگے پیر اور ننگے بدن گلے میں چمڑے کی عبائیں پہنے ہوئے اور تلواریں لٹکائے ہوئے آئے۔ ان میں سے اکثر بل کہ سب قبیلہ مضر کے لوگ تھے۔ ان کے فقر و فاقے کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور بدل گیا۔ پھر آپ اندر گئے اور باہر آئے اور حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا، اقامت کہی اور نماز پڑھی اور خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی:

يَآَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْارَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًاO (۱۲۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور قطع رحمی سے بچو۔ بے شک اللہ تمہارا نگہبان ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

يَآَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍج وَاتَّقُوا اللّٰه (۱۲۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے (آنے والے) کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔

اور فرمایا:

تصدق رجل من دیناره،من درهمه،من ثوبه، من صاع بره من صاع تمره حتیٰ قال ولو بشق تمرة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها بعده من غیر ان ینقص من

۱۲۱۔ النسا:۱ ۱۲۲۔ الحشر:۱۸

اجورهم شيء ومن سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اوزارهم شيء (۱۲۳)

(پھر لوگ صدقہ دینے لگے) کسی نے دینار دیا، کسی نے درہم، کسی نے کپڑا، کسی نے ایک صاع گیہوں، کسی نے ایک صاع کھجور دی، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی (لاؤ)۔ پھر انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلا لایا جس سے اس کا ہاتھ تھکا جا رہا تھا بل کہ تھک گیا تھا۔ پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑے کے دو ڈھیر دیکھے اور (اتنے صدقات جمع ہوئے کہ) میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرۂ انور چمکنے لگا گویا کہ سونے کا ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اسلام میں اچھا طریقہ (کتاب وسنت کا طریقہ) جاری کیا اس کے لئے اپنے عمل کا بھی ثواب ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا، ان لوگوں کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر اور جس نے اسلام میں برا طریقہ (کتاب وسنت کے خلاف) جاری کیا اس کے اوپر اس کے عمل کا بھی بار ہے اور ان لوگوں کے عمل کا بھی جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کریں گے، ان لوگوں کے بار میں کسی قسم کی کمی کئے بغیر۔

۶۔ کفارات

اسلام نے معاشرے کے کم زور اور نادار افراد تک دولت پہنچانے کا ایک مستقل طریقہ یہ مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر رمضان المبارک کا روزہ توڑ دے تو اس پر متواتر دو مہینے کے روزے یعنی مسلسل ساٹھ روزے رکھنا لازم ہے۔ اگر وہ شخص روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے دے۔ اسی طرح کسی مسلمان کو بلا عمد قتل کر دے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے تو قتل کے معاملے میں دیت کے علاوہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا دے، اور قسم توڑنے پر دس روزے رکھے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑا دے۔ مذکورہ تمام کفارات میں کھانے اور کپڑے کے علاوہ کھانے اور کپڑے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ کفارات کا یہ طریقہ عوام اور مستحقوں کی کفالت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بھی اسلام کے نظام معیشت کا حصہ ہے۔

۱۲۳۔ مسلم: ج ۲، ص ۹۵، رقم ۱۰۱۷

بیت المال

حکومت کے خزانے کو بیت المال کہتے ہیں جو ملک کے تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملک ہوتا ہے۔ بیت المال کی ابتدا عہد رسالت میں ہی ہوگئی تھی۔ اس وقت بیت المال کی آمدنی بہت کم تھی۔ جو کچھ جزیے اور خراج وغیرہ محصولات کی وصولی ہوتی تھی وہ اسی وقت لوگوں میں تقسیم کردی جاتی تھی۔

بعض مورخین اور سیرت نگار کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال کے لئے کوئی باقاعدہ عمارت نہ تھی اور نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی اس لئے کہ جو کچھ مال آپ کے پاس آتا آپ اس کو جمع کر کے نہیں رکھتے تھے بل کہ اسی وقت اس کو مستحق لوگوں میں تقسیم فرمادیتے تھے، یہاں تک کہ جو مال صبح کے وقت آتا آپ اس کو دوپہر سے پہلے تقسیم فرمادیتے تھے اور جو مال شام کے وقت آتا اس کو رات سے پہلے تقسیم فرمادیتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس نوے ہزار درہم آئے جو آپ نے ایک چٹائی پر رکھ دیئے۔ پھر آپ نے کھڑے ہوکر ان کو تقسیم کرنا شروع کیا تو آپ نے کسی سائل کو (خالی) واپس نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ سب تقسیم ہوگئے۔ پھر ایک شخص نے آکر سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

> **ماعندی شیٔ ولکن ابتع علی، فاذا جاء نا شیٔ قضیناہ (۱۲۴)**
>
> میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم ادھار لے لو، جب ہمارے پاس کوئی چیز آئے گی تو ہم اس کو ادا کردیں گے۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا جو لاکھوں درہم پر مشتمل تھا۔ آپ نے اس کو مسجد کے صحن میں ڈلوادیا اور اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

> **اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمال من البحرین فقال انثروہ فی المسجد وکان مال اتی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلوٰۃ ولم یلتفت الیہ، فلما قضی الصلوٰۃ جاء فجلس الیہ فماکان یری احد الا اعطاہ ......فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثم منھا درھم (۱۲۵)**
>
> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے خراج کا مال آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد

۱۲۴۔ محمد جاد بک۔ المثل الکامل: ص ۲۳

۱۲۵۔ بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ: ج ۱، ص ۱۰۸، رقم ۴۲۱

کے صحن میں رکھ دو، یہ ان تمام اموال سے زیادہ تھا جو اب تک آپ کی خدمت میں آچکے تھے۔ (یہ لاکھوں درہم پر مشتمل تھا) پھر آپ نماز کے لئے نکلے اور اس مال کی طرف نظر بھی نہیں کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اس مال کی جگہ تشریف لائے اور اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، جو بھی سامنے آتا گیا آپ اس کو دیتے گئے۔ آپ اس وقت تک وہاں سے نہ اٹھے جب تک ایک درہم بھی باقی رہا۔ (جب سب ختم ہو گیا تو آپ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

سیرت نگاروں اور مورخین کا یہ خیال درست نہیں کہ آپ کے زمانے میں بیت المال تو قائم ہو گیا تھا لیکن اس کے لئے کوئی عمارت نہ تھی، صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری برسوں میں فدک اور خیبر سے زمینی پیداوار اور بعض عرب قبائل کا جزیہ اور وقف املاک کی آمدنی آنے لگی تھی۔ اس کے علاوہ وفود کے بیان میں آتا ہے کہ اہل وفود جب واپسی کے لئے رخت سفر باندھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تحائف اور سفر خرچ دیا کرتے تھے جو چاندی اور کھجور وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے اس مقصد کے لئے کچھ مال بچا کر رکھا جاتا ہوگا اور اس کو محفوظ کرنے کے لئے بھی یقیناً کوئی انتظام ہوگا۔ چناں چہ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

حکومت کی آمدنی کی نگہداشت کی بھی ضرورت تھی اور یہ کام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جو موذن بھی تھے اور وزیر خزانہ بھی۔ لکھا ہے کہ مسجد نبوی کا ایک حجرہ اس کے لئے مخصوص تھا جس میں تالا پڑا رہتا تھا۔ یہ کمرہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں رہتا اور اس میں سرکاری رقم اور سرکاری ملکیت کی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ (۱۲۶)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیت المال کی نگرانی کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ ابن قیم نے لکھا ہے:

کان بلال علی نفقاته (۱۲۷)

حضرت بلال آپ کے اخراجات کے نگران تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب تک رقم آپ کے پاس موجود ہوتی تھی تو آپ گھر میں آرام نہیں فرماتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر مشتمل کچھ کپڑے اور کھانے کا سامان ہدیتاً آپ کو بھیجا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو قرض لے کر آپ کے اخراجات کا بندوبست کرتے

۱۲۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بھاولپور: ص ۲۴۵ ۱۲۷۔ ابن قیم جوزیہ۔ زاد المعاد: ج ۱، ص ۱۲۸

تھے، اس وقت ایک یہودی کے مقروض تھے۔ انہوں نے یہ سامان بیچ کر یہودی کا قرض ادا کیا۔ اس سلسلے میں حضرت بلال سے روایت ہے:

انطلقت حتیٰ اتیته فاذا اربع رکائب مناخات علیهن احمالهن، فاستاذنت، فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم، ابشر فقد جاء ک الله تعالیٰ بقضائك ثم قال المر تر الرکائب المناخات الاربع؟ فقلت بلی، فقال ان لك رقابهن وماعلیهن، فان علیهن کسوة وطعاما اهداهن الی عظیم فدك فقبضهن دینك ففعلت، ثم انطلقت الی المسجد فسلمت علیه فقال مافعل ماقبلك؟ قلت قدقضی الله تعالیٰ کل شیٔ کان علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فلم یبق شیٔ، قال افضل شیٔ؟ قلت نعم، قال انظر ان تریحنی عنه فانی لست بداخل علی احد من اهلی حتی تریحنی منه، فلما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم العتمة دعانی فقال مافعل الذی قبلك، قال قلت هو معی، لم یاتنا احد، فبات رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسجد حتیٰ اذا صلی العتمة یعنی من الغد، دعانی قال مافعل الذی قبلك؟ قال قلت قد اراحك الله منه یارسول الله، فکبر وحمد الله شفقا من ان یدرکه الموت وعنده ذلك (۱۲۸)

میں آپ کے پاس آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ چار جانور لدے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے آپ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اے بلال! اللہ نے تیرے قرض کو ادا کرنے کے لئے مال بھیجا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کیا تو نے لدے ہوئے وہ چار جانور نہیں دیکھے۔ میں نے عرض کیا ہاں دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جانور بھی تم لے لو اور جو اسباب ان پر لدا ہوا ہے وہ بھی لے لو، ان پر کپڑا اور غلہ لدا ہوا ہے جو فدک کے رئیس نے بھیجا ہے۔ تم ان کو لے لو اور اپنا قرض ادا کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر مسجد میں آیا اور آپ کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مال کا کیا کیا جو تیرے پاس تھا۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے سب قرض ادا کر دیا جو اس کے رسول پر تھا۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس مال میں سے کچھ بچا ہے؟ میں نے عرض کیا

۱۲۸۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۱۰۸، رقم ۳۰۵۵

ہاں، آپ نے فرمایا جو بچا ہے اسے جلد خرچ کر دو، میں اس وقت تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا جب تک تو مجھے اس مال سے بے فکر نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے عشا کی نماز پڑھ کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس مال کا کیا ہوا جو تمہارے پاس بچا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا وہ میرے پاس ہے۔ میرے پاس کوئی نہیں آیا جس کو میں مال دیتا۔ پھر رات کو آپ مسجد میں رہے اور دوسرے روز عشا کی نماز سے فارغ ہو کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس مال کا کیا ہوا جو تمہارے پاس بچا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے آپ کو اس مال سے بے فکر کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد کی کہ اس نے مال سے نجات دی۔ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں آپ کو موت آ جائے اور وہ مال آپ کے پاس پڑا رہ جائے۔

آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب حکومت کے محصولات میں اضافہ ہوا تو باقاعدہ بیت المال کا قیام عمل میں آیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس کا نگران مقرر کیا گیا۔ اس وقت بھی جو محاصل آتے وہ سب مسلمانوں پر صرف کر دیئے جاتے تھے۔ (۱۲۹)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا، اور بڑھتے بڑھتے مصر اور عراق تک پہنچ گیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صوبوں میں بیت المال کی باقاعدہ شاخیں کھلوائیں، اور عبداللہ بن ارقم کو خزانے کا امیر مقرر کر کے ان کے تحت کئی اصحاب کو مقرر کیا، بیت المال کی آمد و خرچ کے رجسٹر مرتب کر کے اس کا باقاعدہ حساب رکھا گیا۔ (۱۳۰)

خلیفہ کی حیثیت: بیت المال خلیفہ اور اس کے نمائندوں کی نگرانی میں رہتا تھا لیکن خلیفہ کو ذاتی طور پر بیت المال کی رقم وغیرہ کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ خلیفہ کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی تھی۔ اس سے سرکاری خزانے پر شاہی اقتدار اور نظام خلافت کے فرق کا پتہ چلتا ہے۔

بیت المال کی آمدنی: بیت المال کی آمدنی کے یہ چند ذرائع تھے۔

۱۔ اموال ظاہر کی زکوٰۃ، چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر وغیرہ۔ ان سب کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ذیل میں بیان ہوئے۔

۲۔ مال غنیمت، کانوں اور دفینوں کا مال۔

۱۲۹۔ محمد یوسف الدین۔ اسلام کے معاشی نظریے: ج ۲، ص ۵۲۰

۱۳۰۔ محمد یوسف الدین۔ اسلام کے معاشی نظریے: ج ۲، ص ۵۲۰، ۵۲۱

۳۔ مال فئے، جزیہ اور وہ مال جو ذمی کافروں اور مستامن حربیوں سے لیا جائے۔

۴۔ لاوارث مال، وقف

مال غنیمت: یہ ایک اتفاقی آمدنی ہے جو میدان جنگ میں دشمن پر فتح حاصل ہونے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ جنگی قیدیوں سے جو فدیہ وصول کیا جاتا ہے وہ بھی مال غنیمت ہی ہے۔ مال غنیمت اور فدیے کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے اور باقی مال جنگ کے شرکا میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مفتوحہ اراضی بھی بیت المال کی ملک ہوتی ہے۔

مال غنیمت کے مصارف: مسلمانوں کو سب سے پہلے غزوہ بدر میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تقسیم کا طریقہ دریافت کیا تو آپ نے ان کو اللہ کا یہ حکم سنایا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَO (۱۳۱)

لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے۔ سوتم اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے اس مال کو حلال کر دیا جو جہاد وقتال کے نتیجے میں کافروں سے حاصل ہو۔ سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا بل کہ تمام اموال غنیمت کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا جاتا تھا، پھر آسمان سے ایک آگ آکر اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔ یہ اس جہاد کے عنداللہ مقبول ہونے کی علامت تھی۔ مذکورہ بالا آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کا تمام مال غنیمت اہل بدر میں برابر برابر تقسیم فرما دیا۔ اس وقت تک بیت المال کے لئے پانچواں حصہ یعنی خمس نہیں لیا جاتا تھا۔

غزوہ بدر کے مال کی تقسیم کے کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا:

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لا اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O (۱۳۲)

۱۳۱۔ الانفال:۱ ۱۳۲۔ الانفال:۴۱

اور جان لو کہ جو چیز تمہیں غنیمت کے طور پر ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی) مدد پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن (بدر میں) اپنے بندے پر نازل کی جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوگئی تھی، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چناں چہ بدر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا وہ بنو قینقاع کا مال غنیمت تھا جو ۲ھ میں حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کے چار حصے جنگ کے شرکا میں تقسیم فرمائے اور پانچواں حصہ بیت المال میں جمع فرمایا۔

کانوں اور دفینوں کا مال: کان اور دفینے میں خمس لیا جائے گا۔ کان سے جو چیزیں نکلتی ہیں ان میں سے سونا، چاندی، لوہا، رانگ، تانبا، اور کانسی وغیرہ میں خمس واجب ہے۔ پارے میں بھی خمس واجب ہے۔ باقی چیزوں مثلاً پانی، تیل، چونا، جواہرات، سرمہ، پھٹ کڑی، وغیرہ میں خمس نہیں ہے۔ ان کے مصارف بھی وہی ہیں جو مال غنیمت کے ہیں۔

سمندری پیداوار: یہ بھی بیت المال کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے۔ سمندر جو زیور (موتی وغیرہ) اور عنبر کنارے پر پھینک دیتا ہے وہ رکاز (دفینے) کی مثل ہے۔ اس لئے جس کو ملے وہ اس کا پانچواں حصہ یعنی خمس بیت المال میں جمع کرے۔ باقی چار حصے اسی کے ہیں جس کو وہ چیز ملی۔ اس کے مصارف بھی وہی ہیں جو مال غنیمت کے ہیں۔

مال فئے: جو مال قتال، جنگ اور محنت ومشقت کے بغیر غیر مسلموں سے حاصل ہو اس کو مال فئے کہتے ہیں۔ مال فئے بیت المال کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ مال پورے کا پورا بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔

۴ھ میں بنونضیر کی جلاوطنی سے ان کے باغات اور کھیتیاں اور اس کے بعد بنوقریظہ کا علاقہ اور ان کا مال واسباب اور پھر خیبر کے بعض علاقے کسی جنگ وقتال کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئے تھے۔ یہ سب مال فئے تھا۔ اس کا مصرف بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمادیا:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ

.فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۱۳۳)

اور اللہ نے جو اُن سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ بل کہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ نے بستی والوں کا جو مال اپنے رسول کو دیا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تا کہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اُس کو لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے مال فئے کی تقسیم کے لئے مستحقین کی تعین فرما دی لیکن ان میں سے کس کو دیں اور کتنا دیں یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صواب دید پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ اس مال میں سے جتنا آپ عطا فرمائیں اس کو رضا و رغبت سے لے لیں، زیادہ کی طمع نہ کریں اور اگر وہ نہ دیں تو اس کی فکر میں نہ پڑیں۔ اگر اس معاملے میں کسی نے غلط بیانی یا حیلے بہانے سے زائد حصہ وصول کر بھی لیا تو اللہ کو سب خبر ہے۔ وہ اس کو اس کی سزا دے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال فئے کو بیت المال کی ملکیت قرار دے کر اپنے انتظام میں رکھا۔ آپ اس میں سے سال بھر کا خرچ نکال کر اپنے گھر والوں کو دیتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ بچ جاتا تھا اس کو مذکورہ بالا آیت میں بیان کردہ مصارف پر خرچ فرماتے۔

جزیہ: جو غیر مسلم اسلامی حکومت کی حدود میں اس کی حفاظت اور ذمے داری میں داخل ہوں ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت ان کی جان و مال اور ان کے مذہب کی حفاظت کی ذمے دار ہوتی ہے اور ان کو بیرونی دشمنوں سے بچاتی، ملک میں ان کو امن دیتی اور ان کو سماجی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ زکوٰۃ کی طرح جزیہ بھی قمری مہینوں کے اعتبار سے ایک سال گزرنے پر لیا جاتا ہے۔

یہ مسلمانوں کی ضرورتوں پر صرف کیا جاتا ہے۔ فوجیوں کی تنخواہیں، قاضیوں، مفتیوں، محتسبوں، معلموں، طالب علموں وغیرہ کے روزینے بھی اسی مال سے دیئے جاتے ہیں۔ ہتھیاروں، سرحدوں کی حفاظت، پل، نہریں، مسافر خانے، مسجدیں بھی اسی مال سے بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مستحق ذمیوں کو وظائف بھی اسی رقم سے دیئے جاتے ہیں۔

۱۳۳۔ الحشر: ۶، ۷

لاوارث مال، وقف: اسلامی حکومت کولاوارث لوگوں کے مال کوان کے مرنے کے بعد بیت المال کی ملکیت قرار دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر کسی مورث کا کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہوتو متوفی کا مال اوراس کی جائیداد لازمی طور پر بیت المال میں داخل کردی جائے گی۔

جس مال کا کوئی وارث نہ ہووہ نادار مریضوں کی ضروریات اور علاج میں، ان مُردوں کے کفن میں جن کے پاس مال نہ ہو، لاوارث فقیر بچوں میں جو کہیں پڑے ہوئے ملیں، جولوگ کمانے سے عاجز ہوں اوراسی قسم کے لوگوں اور دیگر کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ غرض اس مال کا مصرف عاجز فقراہیں۔

اوقاف: یہ بھی بیت المال کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھے۔ اوقاف کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا اور بعض صحابہ کرام نے آپ کی ترغیب پر اپنی جائیدادیں اللہ کے نام پر وقف کردی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلاثة ، الامن صدقة جارية ، او علم ينتفع به،او ولد صالح يدعو له (۱۳۴)

جب آدمی مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے، سوائے:
۱۔ صدقہ جاریہ کے۔ ۲۔ وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ ۳۔ یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی۔ وہ اس بارے میں مشورے کے لئے آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے۔ ایسا عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا۔ اس بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا:

ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها

اگر تو چاہے تو اصل زمین کو روک لے اوراس کے نفع کو صدقہ کردے۔

پھر حضرت عمر نے اس کو اس شرط پر صدقہ کردیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے، نہ خریدی جائے، نہ وہ میراث میں دی جائے اور نہ ہبہ کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے فقرا، قرابت داروں اور غلاموں کو آزاد کرانے یا اللہ کی راہ میں، مسافروں میں اور مہمان داری میں صدقہ کردیا اور جو اس کا انتظام کرے اس کے لئے دستور کے مطابق اس میں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں یا کسی دوست کو کھلائے لیکن مال اکٹھا نہ کرے،

۱۳۴۔ مسلم: ج۲،ص۸۴، رقم ۱۶۳۱۔ ترمذی: ج۳،ص۸۸، رقم ۱۳۸۱

یعنی مال جمع کرنے کی نیت سے اس میں سے نہ لے۔(۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (تم نیکی (میں کمال) ہرگز حاصل نہ کرسکو گے جب تک کہ اپنی محبوب چیز میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔(۱۳۶) نازل ہوئی تو ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں لکھتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اور میرے اموال میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب بیرحاء ہے۔ کہا کہ بیرحاء ایک باغ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے، اس کے سائے میں بیٹھتے تھے اور اس کا پانی پیتے تھے۔ ابوطلحہ نے کہا کہ یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ میں اس کی نیکی اور اس کے ذخیرۂ آخرت ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ سو! اے اللہ کے رسول! جس طرح اللہ آپ کو بتائے اسے استعمال کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہت خوب ابوطلحہ۔ یہ تو بڑا نفع بخش مال ہے ہم اسے تمہاری طرف سے قبول کرتے ہیں اور تمہاری ہی طرف لوٹاتے ہیں۔ اب تم اسے اپنے رشتے داروں کو دے دو۔ چناں چہ ابوطلحہ نے وہ باغ اپنے اقارب کو لوٹا دیا۔(۱۳۷)

مخیّریق کے باغات

یہ بنی قینقاع کے یہودی دراَمیر ترین آدمی تھے۔ یہ توریت کے بڑے عالم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ ان کے سات باغ تھے۔ یہ غزوۂ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں آپ کی مدد کے لئے شریک ہوئے اور وصیت کی کہ اگر وہ قتل ہوجائے تو اس کے اموال (ساتوں باغ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں گے۔ پھر وہ اس غزوے یعنی احد میں قتل ہوگئے اور آپ نے ان کے باغات کو اپنے قبضے میں لے کر انہیں مسلمانوں کی فلاح کے لئے وقف کردیا۔

عثمان بن وثاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سات باغ یہ تھے۔ ۱۔ الاعواف۔ ۲۔ الصافیہ۔ ۳۔ الدلال۔ ۴۔ المثیب۔ ۵۔ بُرقہ۔ ۶۔ حُسنیٰ۔ ۷۔ مشربہ ام ابراہیم۔ یہ نام اس لئے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ اس میں قیام پذیر تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخیّریق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی صرف اتنا فرمایا۔ مخیّریق اچھے یہودی تھے۔ وہ مسلمانوں سے علیحدہ مسلمانوں کی قبروں کے نواح میں دفن کئے گئے۔(۱۳۸)

۱۳۵۔ مسلم: ج ۳، ص ۸۴، رقم ۱۶۳۲۔ ترمذی: ج ۳، ص ۸۶، رقم ۱۳۸۰ ۔۔۔ ۱۳۶۔ آل عمران: ۹۲

۱۳۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۲۱، رقم ۲۷۵۸ ۔۔۔ ۱۳۸۔ ابن سعد: ج ۱، ص ۳۸۸، ۳۹۰

خلاصہ کلام

اس ساری گفت گو کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام نے معیشت کا ایسا نظام پیش کیا ہے جو نہ صرف فطرت انسانی کے عین مطابق ہے، بل کہ اس کی رو سے لوگوں میں ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو ہر شخص کو جبر وتشدد کی بہ جائے فطری طور پر اپنی استعداد اور اپنے اختیار کے مطابق خدمات انجام دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس طرح آج کل کی اصطلاح میں آجر اور اجیر کے مابین صحت مند رشتے استوار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دیتا ہے، اور اسی نے کسی کو غنی بنایا اور کسی کو فقیر، کسی کو بلند مرتبہ بنایا اور کسی کو کم مرتبے والا بنایا، کسی کو ذہین اور کسی کو کند ذہن بنایا، کسی کو عقل منداور کسی کو کم عقل بنایا، تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں اور ایک دوسرے کے کام آتے رہیں اور دنیا کا نظام بہ حسن خوبی چلتا رہے۔ اسلام کے نظام مالیات کی بنیادی باتیں یہ ہیں:

۱۔ حق داروں کو ان کا حق پہنچانا، یعنی جن عاملین پیدائش پر دولت تقسیم ہوتی ہے، اللہ نے ان پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ غربا و مساکین تک پہنچائیں، کیوں کہ وہ بھی اس دولت کے حق دار ہیں۔

۲۔ احتکار و اکتناز کی ممانعت، یعنی اسلام میں ایسے طریقے اختیار کرنے کی سخت ممانعت ہے جن سے دولت و سرمایہ پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بہ جائے سمٹ کر ایک خاص طبقے تک محدود ہو جائے۔

۳۔ اسراف کی ممانعت، یعنی تمام معاملات میں حد کے اندر رہنا اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔

۴۔ تبذیر سے بچنا، یعنی اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے بچنا۔

۵۔ ہر قسم کے سودی لین دین سے بچنا۔ اس لئے کہ اس سے تقسیم دولت کے نظام میں عدم توازن اور ناہمواری پیدا ہوتی ہے اور مٹھی بھر سرمایہ دار دولت کے بڑے حصے پر قابض ہو جاتے ہیں۔

۶۔ تجارت، جو تجارت اسلامی اصولوں اور احکام کے تحت کی جائے وہ حلال اور جائز ہے۔ اللہ نے تجارت میں بہت برکت رکھی ہے۔ تجارت کی ممنوعہ شکلیں یہ ہیں کہ بازار میں آنے سے پہلے راستے ہی میں مال خرید لے نا۔ نرخ بڑھانے کے لئے دوسرے کی بیع میں مداخلت کرنا۔ پختگی کی علامات ظاہر ہونے سے پہلے پھل فروخت کرنا۔ قبضے سے پہلے مال فروخت کرنا۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔ قسم کھا کر مال بیچنا۔ حرام اشیا کی تجارت کرنا وغیرہ۔ تجارت کے جائز طریقے یہ ہیں کہ انفرادی کاروبار کرنا۔ قراض یا مضاربت، شراکت، مرابحہ، بیع سلم، تولیہ، نیلام یا بیع مزایدہ، کمیشن کا کاروبار وغیرہ۔

۷۔ ارتکاز دولت کا انسداد یعنی زکوۃ عشر، کفارات کی فرضیت، وصیت کے اختیار کی تحدید، میت کی جائیداد میں اس کے وارثوں کے حصے اوقاف وغیرہ کے ذریعے اسلام نے ارتکاز دولت کے انسداد کا اہتمام کیا ہے۔

۸۔ بیت المال کا قیام۔ یہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملک ہوتا ہے اور خلیفہ کی نگرانی میں رہتا ہے لیکن خلیفہ کو ذاتی طور پر بیت المال کی کسی چیز پر اپنے لئے کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بیت المال کے سلسلے میں خلیفہ کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے۔

بیت المال کی آمدنی۔ اموال ظاہرہ کی زکوۃ، چرنے والے جانوروں کی زکوۃ، عشر، صدقات اوقاف وغیرہ۔ مال غنیمت، کانوں اور دفینوں کا مال۔ مال فئے جو پورے کا پورا بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ لاوارث مال یہ تمام بیت المال کی آمدنی کے ذرائع شمار ہوتے ہیں۔

غرض ان اسلامی قوانین کا مقصد یہ ہے کہ دولت کو مسلسل تقسیم اور گردش میں رکھا جائے اور ارتکاز دولت کا انسداد کیا جائے۔ اسلام کے پورے مالی نظام اور اس سلسلے میں اس کی ہدایات کا یہی خلاصہ ہے۔